دیکھے ہزار شمس و قمر کائنات میں
دُنیا میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں
شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے مختصر
حالاتِ زندگی اور سانحۂ وفات
مؤلف
سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہ
خادمِ خاص و خلیفہ مجازِ بیعت حضرت والاؒ
ناشر
ادارۂ تالیفاتِ اختریہ
hazratmeersahib.com

نالۂ غم در یادِ مرشدِ عالم

شیخ العرب والعجم مجددِ دوراں عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اب ہجر میں ان کی یاد میں ہم آنکھوں سے لہو برساتے ہیں
دل خون کے آنسو روتا ہے نالے بھی فلک تک جاتے ہیں

اے شیخ مرے محبوب مرے کیوں ہم کو تنہا چھوڑ گئے
دنیا میں ہمارا کوئی نہیں تنہائی میں ہم گھبراتے ہیں

اک تم ہی تو تھے ہمراز مرے اک تم ہی تو تھے دمساز مرے
اب کس سے کہیں دل کی باتیں یہ سوچ کے چپ ہو جاتے ہیں

وہ نور کہاں وہ بات کہاں وہ صبح کہاں وہ رات کہاں
اے نورِ مجسم بن تیرے دنیا ہی اندھیری پاتے ہیں

اے شیخ ہمارا نالۂ غم کیا آپ تلک بھی پہنچا ہے
کیا سن کے ہماری آہ و فغاں یاد آپ کو ہم آ جاتے ہیں

اک نصف صدی تک عمر مری جو ساتھ تمہارے گذری ہے
لگتا ہے کہ وہ کچھ لمحے تھے جو آج مجھے تڑپاتے ہیں

اے شیخ مرے اک لمحہ بھی ہم آپ کو بھول نہیں پاتے
ہر لحظہ آپ کی یاد میں ہم آنکھوں سے لہو برساتے ہیں

یہ درد تمہاری یادوں کا تا حشر رہے گا سینے میں
اس درد میں لذت ایسی ہے اس درد سے راحت پاتے ہیں

ہے کون جسے اپنا سمجھیں دنیا میں ہمارے تم ہی تو تھے
بیگانے تو بیگانے ٹھہرے اپنے بھی مظالم ڈھاتے ہیں

سید عشرت جمیل میر عفا اللہ عنہ

(۱۶ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۲ ستمبر ۲۰۱۴ء بروز جمعۃ المبارک)

فہرست

عارف باللہ شیخ العرب والعجم مجدّدِ زمانہ حضرت اقدس

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے مختصر حالاتِ زندگی

(نوٹ: مندرجہ ذیل مضمون ''مختصر حالاتِ زندگی'' حضرت والا کی حیات مبارکہ میں لکھا گیا تھا اور دوسرا مضمون ''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں'' حضرت کی وفات کے بعد لکھا گیا۔ دونوں مضمون اب کتابی شکل میں یہاں نذرِ قارئین ہیں۔ میر عفا اللہ عنہ)

ولادت باسعادت

شیخ العرب والعجم مجی ومحبوبی سیدی وسندی وسیلۃ یومی وغدی الیٰ یوم الدین عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت مرشدنا ومولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب ادام اللہ ظلہم علینا ہندوستان کے شہر پرتاب گڑھ صوبہ یوپی کی ایک چھوٹی سی اٹھیہہ نامی بستی کے ایک معزز گھرانے میں ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت کے والد ماجد جناب محمد حسین صاحب ایک سرکاری ملازم تھے۔ حضرت اپنے والد صاحب کے اکلوتے فرزند تھے اور آپ کی دو بہنیں تھیں حضرت والا کے والد صاحب بھی صاحب محبت تھے اور حضرت سے بہت ہی زیادہ محبت فرماتے تھے۔

بچپن ہی میں آثار جذب الٰہیہ کا ظہور

میرے محبوب مرشد فداہ ابی وامی وروحی مادرزاد ولی ہیں حضرت والا میں بچپن ہی سے آثارِ ولایت ظاہر ہوگئے تھے۔ حضرت والا نے احقر کو خود یہ واقعہ سنایا کہ میرے

والد صاحب کا بہ سلسلہ ملازمت جب ضلع سلطان پور میں قیام تھا اس وقت میری عمر تین چار سال تھی اور میری بڑی ہمشیرہ جو اس وقت بچی تھیں مجھے گود میں اٹھا کر امام صاحب سے دم کرانے کے لیے لے جاتی تھیں تو جب میں نے امام صاحب کو دیکھا تو ان کی وضع قطع لمبا کرتا اور ڈاڑھی مجھے بہت اچھی معلوم ہوئی اور مسجد کے در و دیوار اور مسجد کی زمین کی خاک مجھے بہت اچھی لگی اور مجھے اب تک یاد ہے کہ مسجد کی زمین کو میں نے بوسہ دیا۔ جب ذرا اور ہوش سنبھالا تو اللہ کے نیک بندوں کی محبت اور زیادہ معلوم ہونے لگی اور ہر حافظ و عالم اور نیک بندوں کی وضع و قطع رکھنے والوں کو دیر تک محبت سے دیکھا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دن بدن دل میں بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ درجہ چار پاس کرنے کے بعد والد صاحب سے درخواست کی کہ مجھے دیوبند بھیج دیا جائے لیکن والد صاحب نے مڈل اسکول میں داخل کرا دیا۔ والد صاحب کے حکم پر بادلِ ناخواستہ تین سال مڈل تک پڑھا اور بہت اصرار کیا کہ ان دنیاوی تعلیمات میں میرا دل بالکل نہیں لگتا مگر والد صاحب کے حکم کے آگے مجبور تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ ابھی میں نابالغ ہی تھا ۱۲ سال کی عمر تھی تو معلوم ہوا کہ مسجد کے امام صاحب جن کا نام حافظ ابوالبرکات صاحب تھا جو بچپن میں دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے وہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بیعت ہیں۔ ان کی مجھے بہت محبت محسوس ہوتی تھی اور دل میں خیال آتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں ایک دن ان سے جا کر عرض کیا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس وقت میں مڈل میں پڑھ رہا تھا لیکن حافظ صاحب کو مجھ میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ فرمایا کہ حضرت حکیم الامت نے مجھے عوام کے لیے مجاز بیعت بنایا ہے اور آپ عوام میں نہیں ہیں اور فرمایا کہ آپ کو کوئی خاص بندہ بیعت کرے گا۔

اس دور نابالغی میں گھر سے دور جنگل میں ایک مسجد تھی حضرت آدھی رات کو اٹھ کر چپکے سے وہاں جا کر عبادت کیا کرتے تھے، اس مسجد میں خوب دل لگتا تھا۔ حضرت

تنہائی میں وہاں تہجد پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں رویا کرتے اور فجر تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں خوب گریہ وزاری کرتے، اور قصبہ کے باہر ایک اور مسجد تھی، مسجد سے کچھ فاصلے پر مسلمانوں کے چند گھر آباد تھے لیکن وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے حضرت نے ان کو نماز کی دعوت دی جس کی برکت سے وہ نمازی ہو گئے اور اس مسجد میں اذان اور جماعت بھی ہونے لگی اور لوگ تعریفاً حضرت کو مسجد کے نمازیوں کا پیر کہنے لگے۔

حضرت والا کے تقویٰ کی ایک مثال

حضرت کا چونکہ بچپن تھا اس لیے یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ نابالغ کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی اس لیے ان لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے کیونکہ وہ لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ۲۰۰۰ء میں جب حضرت والا کو فالج کا حملہ ہوا تو ایک دن خیال ہوا کہ اس زمانے میں جو نمازیں پڑھائی تھیں تو نابالغ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی نماز واجب الاعادہ ہے لہٰذا حضرت والا نے سلطان پور کی اس مسجد کے امام صاحب کو رجسٹرڈ خط بھیجا کہ پچاس سال پہلے جب میں نابالغ تھا تو مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں نے وہاں کے نمازیوں کی امامت کی ہے ان کی وہ نمازیں واجب الاعادہ ہیں لہٰذا ان میں سے اگر کوئی نمازی زندہ ہو تو اس کو بتا دیں کہ اس زمانے کی نمازوں کو دہرا لیں۔ دس پندرہ دن بعد اسی مضمون کا دوسرا خط بھی رجسٹری سے روانہ فرمایا۔ اب نہ معلوم وہ امام صاحب اور وہ لوگ زندہ بھی تھے یا نہیں لیکن جتنا اختیار تھا وہ حضرت نے استعمال فرمایا۔

وہ مسجد بالکل ویرانے میں تھی اور رات کو دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا تھا حضرت آدھی رات کے بعد اس مسجد میں جا کر تہجد پڑھتے تھے حالانکہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ منع فرماتیں کہ اتنی رات کو اکیلے مت جایا کرو۔ حضرت کے والد صاحب چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لیے ان کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ سرکاری ملازمت کی وجہ سے بہت سے دوست اور بہت سے دشمن

ہوتے ہیں لہٰذا ان کو رات کو اکیلے مسجد میں نہ جانے دیں لیکن حضرت کے والد صاحب نے براہ راست منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت نے فرمایا کہ ایک رات کے آخر میں جب میں مسجد سے تہجد پڑھ کے نکلا تو والد صاحب مع چند دوستوں کے مسجد کے باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے اور فرمایا کہ تم میرے ایک ہی بیٹے ہو اور یہاں بہت سے دوست اور بہت سے دشمن ہوتے ہیں لہٰذا تم گھر ہی پر تہجد پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد سے حضرت گھر پر تہجد پڑھنے لگے۔ والد صاحب کے دوست حضرت کو فقیر اور درویش کہتے تھے اور خود والد صاحب نام لینے کے بجائے مولوی صاحب کہتے تھے۔

بچپن ہی میں نامحرم عورتوں سے پردہ کا اہتمام

حضرت کے بھانجے محمد احمد صاحب نے بتایا کہ اسی بچپن کے زمانے میں حضرت نے نامحرم عورتوں سے پردہ شروع کر دیا۔ جب کوئی عورت آتی تو حضرت دوسرے کمرے میں چلے جاتے۔ حضرت کی والدہ صاحبہ کی خدمت میں ایک ہندو عورت آیا کرتی تھی جو پڑوس ہی میں رہتی تھی ایک بار اس نے حضرت کے متعلق پوچھا کہ بھیا کہاں ہیں؟ حضرت کی والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ عورتوں سے پردہ کرتے ہیں تو اس عورت نے کہا کہ اتنا چھوٹا بچہ اور ابھی سے پردہ کرتا ہے میں ان کا پردہ چھڑاؤں گی۔ ایک دن حضرت والا مسجد سے نماز پڑھ کر گھر واپس آ رہے تھے تو اس عورت نے دیوار کی آڑ لے کر بہانے سے کہا کہ بیٹا ذرا یہ خط پڑھ کر سنا دو۔ جب حضرت نے خط لینا چاہا تو اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کاہے پردہ کرتے ہو ابھی تو بچے ہو۔ حضرت اس سے ہاتھ چھڑا کر روتے ہوئے گھر آئے اور والدہ صاحبہ سے کہا کہ اب میں گھر سے باہر بھی نہیں جاؤں گا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں ذرا اور بڑا ہوا تو قلب خدائے تعالیٰ کے لیے بے چین رہنے لگا رات کی تنہائیوں میں آسمان اور چاند ستاروں کو دیکھ کر بہت سکون ملتا اور دیر تک محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول رہتے اور یہاں تک کہ تھک کر

سوجاتے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر بار بار حق تعالیٰ سے عرض کرتے کہ ؎

اپنے ملنے کا پتہ کوئی نشاں
تو بتادے اے مرے رب جہاں

مثنوی مولانا رومؒ سے والہانہ شغف

بچپن کے اسی زمانے میں مثنوی رومی کے چند اشعار پڑھ کر حضرت کو مولانا روم سے محبت ہوگئی اور مثنوی سمجھنے کے لیے فارسی پڑھنا شروع کر دی اور مثنوی کے اشعار پڑھ پڑھ کر رویا کرتے اور حضرت کے استاذ جو قرآن شریف پڑھاتے تھے بہت خوش الحان تھے، قرآن شریف پڑھنے کے بعد ان سے مثنوی سنانے کی درخواست کرتے وہ بہت دردناک آواز سے مثنوی پڑھتے تو دل اللہ کی محبت میں تڑپ جاتا۔ رات کی تنہائیوں میں حضرت مثنوی کے اشعار پڑھ کر اللہ کی یاد میں رویا کرتے خصوصاً یہ اشعار ؎

آہ را جز آسماں ہمدم نبود
راز را غیر خدا محرم نبود

ترجمہ: میری آہ کا سوائے آسمان کے کوئی ساتھی نہیں اور میری محبت کے راز کا سوائے خدا کے کوئی محرم نہیں۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح از درد اشتیاق

ترجمہ: اے خدا آپ کی جدائی کے غم میں چاہتا ہوں کہ میرا سینہ پارہ پارہ ہو جائے تاکہ آپ کی محبت کی شرح نہایت درد سے بیان کروں ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

ترجمہ: جس کا سینہ اللہ تعالیٰ کے عشق سے چاک ہوگیا وہ جملہ امراض باطنی اور

اخلاق رذیلہ سے پاک ہوگیا۔

پانچ سال کی عمر میں جب کہ ہوش حواس صحیح نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کی طرف جذب محسوس ہونا اور دل کا اللہ کی محبت میں بے قرار ہونا جب کہ جوان ہونے کے بعد بھی لوگوں کو یہ حالات نصیب نہیں ہوتے یہ دلیل ہے کہ حضرت والا اولیاء اخص الخواص میں ہیں اور مادرزاد ولی ہیں۔

مثنوی شریف کے شوق میں حضرت نے جامع مسجد سلطان پور کے خطیب حضرت مولانا قاری صدیق صاحب سے فارسی پڑھنا شروع کی۔ بہت بعد میں جب حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے تعلق ہوا اور حضرت شیخ کے مدرسہ بیت العلوم میں داخلہ لیا وہاں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مرید مدرسہ میں فارسی کے استاذ تھے ان سے ہی حضرت نے فارسی پڑھی لیکن وہ بہت تیز بولتے تھے جو طلبہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور طلبہ اساتذہ سے ان کی شکایت کرتے تھے اور بہت سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے ہی پڑھا اور ادب کی وجہ سے کبھی ان کی شکایت نہیں کی۔ اس کی برکت ہے کہ جب حضرت نے معارف مثنوی تالیف کی اور ہندوستان تشریف لے گئے اور اپنے استاذ کی خدمت میں معارف مثنوی پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے علاوہ بھی کیا تم نے کسی سے فارسی پڑھی ہے؟ حضرت نے عرض کیا کہ نہیں حضرت آپ کے سوا کسی سے نہیں پڑھی۔

معارف مثنوی پر یاد آیا کہ جب معارف مثنوی چھپی تھی تو مولانا حسین بھیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس وقت جامعہ بنوری ٹاؤن کے طالب علم تھے معارف مثنوی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کی اور بتایا کہ یہ کس کی تالیف ہے تو حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اچھا میں دیکھتا تھا کہ حضرت پھولپوری کی خدمت میں ایک نوجوان رہتا تھا، پرانی سی لنگی اور بوسیدہ سا کرتا پہنے ہوئے اشرفی تیل اور معجون بنایا کرتا تھا میں سمجھتا تھا کہ یہ حضرت کا خادم نہیں بلکہ نوکر ہے اور فرمایا کہ

مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم ہیں'' اور معارف مثنوی پر جو تقریظ لکھی اس میں لکھا کہ ''مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تالیف لطیف معارف مثنوی پڑھ کر مجھ کو موصوف سے اتنی عقیدت ہوئی جس کا میں تصور نہیں کرسکتا تھا'' اور ایک بار حضرت اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو معارف مثنوی پیش کی جس کے آخر میں حضرت کی فارسی مثنوی بھی ہے۔ حضرت کی مثنوی کے چند اشعار پڑھ کر حضرت مولانا بنوریؒ نے فرمایا ''لَا فَرْقَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَوْلَانَا رُوْمِ'' یعنی آپ میں اور مولانا روم کے کلام میں کوئی فرق نہیں۔ اور اسی زمانے میں ایران کے ایک بہت بڑے عالم نے حضرت کی فارسی مثنوی پڑھ کر تحریر فرمایا کہ ''ہر کہ مثنوی اختر را بخواند او را مثنوی مولانا روم پندارد، حقا کہ مولانا حکیم محمد اختر صاحب رومی عصر اند'' یعنی جو بھی مثنوی اختر کو پڑھتا ہے اس کو مثنوی مولانا روم سمجھتا ہے بے شک مولانا حکیم محمد اختر صاحب اس زمانے کے رومی ہیں۔

معارف مثنوی ایک بالکل منفرد شرح ہے جو محض لفظی ترجمہ نہیں بلکہ حضرت رومی کے منتشر اور وسیع علوم کو جمع کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے جس میں حضرت والا کی آتش عشق اور درد دل سے ایک منفرد اور دل آویز اسلوبِ بیان دلوں میں اللہ کی محبت کی آگ لگا دیتا ہے۔ معارف مثنوی کے متعلق بعض امتیازی خصوصیات حضرت والا نے ترجمۃ المصنف میں خود تحریر فرمائی ہیں وہ یہاں افادۂ قارئین کے لیے پیش ہیں:

معارف مثنوی کے متعلق چند ضروری معلومات اور امتیازی خصوصیات

حضرت والا ترجمۃ المصنف میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱)......حصہ اوّل حکایات ناصحانہ، حصہ دوم منظومات حکیمانہ، حصہ سوم مناجات متضرعانہ پر مشتمل ہے۔

(۲)......حصہ اوّل میں ضروری اور نہایت مفید حکایات کا انتخاب اس طرز پر کیا گیا ہے کہ ہر حکایت کو مع اس کے مفید نتائج و نصائح مکمل کر دینے کے بعد دوسری حکایت کا آغاز کیا گیا ہے جبکہ حضرت رومی کے زمانہ سے لے کر آج تک سات سو برس کے اندر اس انداز کا کوئی انتخاب مع شرح منصۂ شہود پر نہ تھا۔ چنانچہ سابقہ تمام شروح میں ایک حکایت کے اندر متعدد حکایات داخل ہو جانے سے ان کو سمجھنے اور ان سے سبق حاصل کرنے میں بہت دقت اور دماغی تعب ہوتا تھا نیز وقت بھی بہت لگتا تھا حکایات کے اندر جگہ جگہ احقر کے اشعار اور مثنوی کی تضمین نے حکایات کو مزید پر لطف و پر کیف کر دیا ہے اور انداز بیان سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لفظی ترجمہ نہیں بلکہ خود اپنا مستقل طرز تحریر ہے جو حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کے صدقہ میں محض عطاء حق ہے اور جس کے لطف سے میرے اہل علم احباب بہت محظوظ اور متاثر اور مسرور رہیں۔

(۳)......حصہ دوم میں مختلف عنوانات کے تحت مثلاً صبر، شکر، عشق، تواضع، اخلاص، ادب، خشیت و تقویٰ، شہوت، غصہ تکبر وغیرہ جیسے تمام ضروری مضامین پر اشعار کا انتخاب مع شرح اس زاویۂ نظر سے کیا گیا ہے کہ علمائے واعظین کو اپنی تقاریر کے لیے اور مشائخ طریقت کو اپنی مجالس ارشاد کے لیے اور مصنفین کو اپنی تصانیف کے لیے ہر مضمون پر قلیل وقت میں بآسانی مواد فراہم ہو جائے جبکہ سابقہ شرحوں میں ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار سے ان اشعار کا تلاش کرنا بے حد مشکل تھا۔

(۴)......تیسرے حصہ میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مناجات اور دعائیہ اشعار کو مع شرح تحریر کیا ہے تا کہ ہر روز عاشقان الٰہی مولانا کی زبان سے دعا مانگ کر اپنی آہ کو مولانا کی آہ کے طرز پر حق تعالیٰ تک رسا کر سکیں۔

(۵)......سالکین کی نشاط طبع کے لیے احقر نے اپنی فارسی مثنوی کے اشعار جو مختلف دینی مضامین پر مشتمل ہیں منسلک کر دیئے ہیں۔ غرض احقر کے درد دل نے کہیں

نثر کی صورت اختیار کرلی ہے کہیں نظم کی بعض دوستوں نے احقر کے یہ فارسی اشعار رومی کے سمجھ کر اپنے پاس نوٹ کرلیے بعد میں احقر نے ان کو بتایا کہ یہ اشعار مولانا رومی کے نہیں احقر کے ہیں اس لیے بعض دوستوں کا اصرار اور تمنا تھی کہ ان اشعار کو شائع کردیا جائے جو کہ بہت سے طبائع کے لیے یہ مزید باعث نشاط وسرور ہوگا۔

(۶)...... اس معارف مثنوی کے مطالعہ سے ناظرین خود اس فیصلہ پر مجبور ہوں گے کہ حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے آج تک سات سو برس کے اندر ایسی شرح اور ایسا انتخاب نہ ہوا تھا۔ ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِيَ اللهُ تَعَالٰى بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

مثنوی مولانا روم سے حضرت والا کا شغف سارے عالم میں معروف ہے چنانچہ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں تقریباً آٹھ ملکوں کے علماء خانقاہ میں تشریف لائے اور انہوں نے درس مثنوی کے لیے حضرت سے درخواست کی۔ چنانچہ روزانہ بعد فجر حضرت نے مثنوی کا درس دیا جو ''آشوب و چرخ وزلزلہ'' کا مصداق تھا ایک ایک لفظ عشق و مستی میں ڈوبا ہوا لیکن عشق کی یہ تیز وتند شراب جام سنت وشریعت میں محصور تھی، مجال نہیں کہ عشق ومستی حدود شریعت سے باہر قدم رکھ دے جس سے علماء کو وجد آیا۔ الحمد للہ یہ درس، درس مثنوی مولانا روم کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور الحمد للہ اس کے لیے ایک بشارت عظمیٰ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کے ایک خادم جناب سید ثروت حسین صاحب سے خواب میں فرمایا کہ درسِ مثنوی بہت اچھی کتاب ہے تم یہی پڑھا کرو۔

اور مثنوی کے متعلق حضرت والا کی تیسری تالیف فغان رومی ہے جس میں مثنوی کے دعائیہ اشعار کی والہانہ، عاشقانہ اور الہامی تشریح ہے اور یہ بھی درس ہے جو ری یونین سے آنے والے علماء اور سالکین کے محضر میں دیا گیا۔

حضرت والا کو بچپن ہی سے مثنوی سے جو شغف تھا اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔

حضرت جب مدرسہ بیت العلوم میں پڑھتے تھے تو ایک رات حضرت کے قلب مبارک پر مثنوی کے بعض اشعار کی خاص تشریح وارد ہوئی اور حضرت رات ہی کو فجر کے قریب اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پھولپور حاضر ہوئے اور فجر کی نماز پھولپور میں پڑھی۔ مدرسہ بیت العلوم پھولپور سے پانچ میل پر ہے۔ حضرت شیخ حضرت کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ اتنے سویرے کیسے آئے؟ عرض کیا کہ حضرت مثنوی کے بعض اشعار کے معانی دل میں آئے ہیں حضرت کی تصدیق کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ میں صحیح سمجھا ہوں یا نہیں؟ حضرت شیخ پھولپوری فجر کے بعد تلاوت، مناجات واذکار کرتے تھے اور اشراق کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تھے۔ اس دن حضرت شیخ نے اپنے تمام معمولات ملتوی کردیئے اور فرمایا کہ سناؤ۔ حضرت نے فجر کے بعد تشریح شروع کی یہاں تک کہ دن کے گیارہ بج گئے تقریباً پانچ گھنٹے حضرت پھولپوری مسلسل سنتے رہے اور حضرت شیخ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

وہ چشم ناز بھی نظر آتی ہے آج نم
اب تیرا کیا خیال ہے اے انتہائے غم

یہ واقعہ سنا کر حضرت دامت برکاتہم نے یہ شعر احقر کو سنایا تھا۔ حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ مثنوی کے عاشق تھے، حضرت کی تشریح سن کر حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ بتاؤ! آج کیا کھاؤ گے؟ حضرت نے عرض کیا کہ جو حضرت کھلا دیں گے۔ حضرت گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ''آج اختر کے لیے تہری پکاؤ'' تہری پیلے رنگ کی ہوتی ہے، چاولوں سے بنائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سے مثنوی کی جو عظیم الشان خدمت لی ہے ایسی شرح کی مثال نہیں ملتی اور یہ سب ان بزرگوں کا فیض ہے جن کی جوتیاں حضرت نے اٹھائی ہیں۔

یہ باتیں تو درمیان میں آگئیں میں حضرت والا کے بچپن کے حالات کا ذکر کررہا تھا کہ ماں کی گود سے ہی حضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف جذب تھا۔ حضرت والا ترجمۃ المصنف

میں تحریر فرماتے ہیں:

''احقر ایام طفولیت ہی سے اپنی روح میں حق تعالیٰ کی طرف ایک خاص جذب محسوس کرتا تھا اور دل کو دنیا سے اچاٹ پاتا تھا۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

عشق خود در جان ما کاریدہ اند
ناف ما بر مہرِ خود ببریدہ اند

حضرت رومی فرماتے ہیں کہ اپنی محبت کا بیج میری جان میں بو دیا ہے اور اپنی محبت کے شرط ایفاء پر مجھے وجود بخشا ہے''۔

ترجمۃ المصنف میں ایک اور جگہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''احقر کو رات کی تنہائیوں میں آسمان کی طرف نظر کرنے اور چاند ستاروں کے مناظر سے بہت سکون ملتا اور ان مصنوعات سے صانع حقیقی کی یاد میں دیر تک مشغول رہتا اور پھر تھک کر سو جاتا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی کا یہ شعر اس حالت کا صحیح ترجمان ہے۔

ان کے جلووں کی رنگیں بہاریں
دیکھتے دیکھتے سو گئے ہم

بچپن میں حضرت کی دینی فہم کا ایک واقعہ

حضرت کے بھانجے محمد احمد صاحب نے یہ واقعہ سنایا جو ان کی والدہ صاحبہ نے ان کو سنایا تھا کہ ہماری دادی مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ دیا کرتی تھیں اور مسجد کے مؤذن کو بلا کر فاتحہ دلواتی تھیں اور اس کو کھانا بھی دیتی تھیں۔ حضرت اگرچہ اس وقت

بچے تھے لیکن دادی کو منع کرتے تھے کہ فاتحہ نہ دیا کریں لیکن وہ نہیں مانتی تھیں۔ ایک بار جب انہوں نے کھانا پکا کر مؤذن کو فاتحہ کے لیے بلایا تو حضرت نے دادی سے کہا کہ یہ مؤذن ثواب اپنے مُردوں کو پہنچاتا ہے آپ کے مُردوں کو نہیں پہنچاتا آپ کا سارا کھانا بے کار جاتا ہے۔ یہ سن کر دادی نے مؤذن کو بھگا دیا اور گھر سے یہ بدعت ہمیشہ کو ختم ہوگئی۔

تحصیل طب یونانی

ترجمۃ المصنف میں حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ ''درجہ ہفتم پاس کرنے کے بعد والد صاحب کا تبادلہ پھر ضلع سلطان پور ہو گیا اور وہاں احقر نے جامع مسجد کے خطیب مولانا قاری صدیق صاحب سے فارسی شروع کی۔ کریما مکمل اور گلستاں کے کچھ باب پڑھ کر احقر نے پھر دیوبند جانے کی اجازت چاہی مگر والد صاحب نے میری مرضی کے خلاف طبیہ کالج الٰہ آباد میں داخل کر دیا اور فرمایا طب سے فارغ ہو کر عربی شروع کرنا۔ بڑی مشکل سے پھر یہ دن گذارنے پڑے۔ اس وقت الٰہ آباد میں حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہوی اسٹیشن کے قریب عبداللہ والی مسجد میں درس تفسیر دیا کرتے تھے احقر وہاں حاضری دیا کرتا۔ اس محلّہ پر جہاں قیام تھا تقریباً ایک میل پر کچھ صحرا تھا وہاں ایک مسجد تھی جو جنوں کی مسجد مشہور تھی اسی مسجد میں گاہے گاہے حاضر ہوتا اور مناجاتِ مقبول ہمراہ لے جاتا اور اس مسجد میں خوب تنہائی کا موقعہ پا کر اپنے رب سے دونوں جہاں کا دکھڑا رولیا کرتا۔

دونوں جہاں کا دکھڑا مجذوب رو چکا ہے
اب اِس پہ فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

حضرت نے فرمایا طبیہ کالج میں داخلہ اس وقت مجھے بہت گراں گذرا تھا لیکن میرے والد صاحب نے فرمایا تھا کہ میں تمہیں طب کی تعلیم اس لیے دے رہا ہوں

تاکہ دین تمہارا ذریعہ معاش نہ ہو اور دین کی خدمت تم صرف اللہ کے لیے کرو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ آج والد صاحب کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ واقعی اس سے بہت فائدہ ہوا کہ آج کوئی اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا کیونکہ میرا اپنا دواخانہ اور کتب خانہ ہے۔ طب پڑھنے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ اپنے احباب کو اس قدر وظیفہ و ذکر بتایا جائے کہ جس سے وہ غیر معتدل نہ ہوں کیونکہ آج کل اکثر لوگ اعصابی دباؤ اور ڈیپریشن میں مبتلاء ہیں اس لیے مختصر ذکر بتاتا ہوں کیونکہ ولایت کثرت ذکر پر نہیں گناہوں سے بچنے پر موقوف ہے۔ اس سے الحمدللہ احباب کو روحانی وجسمانی دونوں فائدے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری

الٰہ آباد میں حضرت کو حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علم ہوا جو حضرت مولانا شاہ فضل رحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے خلیفہ تھے اور بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے اور سراپا محبت تھے، ان کی زیارت کے لیے حضرت جب پہلی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا علمائے ندوہ کے محضر میں بڑے درد سے یہ شعر پڑھ رہے تھے ۔

دل مضطرب کا یہ پیغام ہے
ترے بن سکوں ہے نہ آرام ہے

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے
یہی بس محبت کا انعام ہے

جو آغاز میں فکر انجام ہے
ترا عشق شاید ابھی خام ہے

حضرت نے فرمایا کہ مولانا کو دیکھ کر مولانا سے بہت محبت ومناسبت محسوس ہوئی مولانا سراپا محبت سراپا جمال تھے اور سینہ میں درد بھرا دل رکھتے تھے۔

حضرت طبیہ کالج سے فارغ ہو کر روزانہ شام پانچ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے۔ پندرہ سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک تین سال مسلسل مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں تو اللہ والوں کی گود میں بالغ ہوا ہوں۔ کالج سے فارغ ہو کر میرے ساتھی شام کو دریائے جمنا پر جاتے تھے نہاتی ہوئی عورتوں کو دیکھنے اور میں مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتا تھا۔ مولانا بھی حضرت سے بہت ہی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ کبھی مولانا اپنے وطن پھولپور تشریف لے جاتے تو حضرت آپ کی ملاقات کے لیے پھولپور حاضر ہوتے اور وہاں قیام فرماتے تو مولانا گھر سے اپنا بستر لے کر مہمان خانے میں تشریف لے آتے اور فرماتے کہ یہاں بڑے بڑے علماء آتے ہیں میں کسی کے لیے اپنا بستر باہر نہیں لاتا لیکن صرف آپ کے لیے گھر سے باہر آ کر سوتا ہوں۔ ایک بار الٰہ آباد سے حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے حضرت کو کراچی خط بھیجا تھا جس میں لکھا تھا کہ آپ مجھ سے جیسی محبت کرتے ہیں دنیا میں ایسی محبت مجھ سے کوئی نہیں کرتا۔ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ میں سب سے قوی النسبت بزرگ کون ہیں تو حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب۔ حضرت نے اپنے شیخ اوّل حضرت پھولپوری سے عرض کیا کہ ایک بزرگ مولانا شاہ محمد احمد صاحب ہیں جن کی خدمت میں میں بچپن سے حاضر ہوتا ہوں اللہ کی محبت میں بالکل جلے بھنے ہیں تو حضرت پھولپوری نے فرمایا کہ ہم بھی ان سے ملیں گے۔ حضرت پھولپوری مولانا سے ملنے پھولپور تشریف لے گئے (مولانا شاہ محمد احمد صاحب کے وطن کا نام بھی پھولپور ہے) اور مولانا سے ملاقات کی۔ مولانا جب چائے لینے گھر کے اندر تشریف لے گئے تو

حضرت پھولپوری نے زمین کی طرف دیکھا پھر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب کا نور مجھے زمین سے آسمان تک نظر آرہا ہے اور ایک بار فرمایا کہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب سراپا محبت ہیں۔ آغاز جوانی ہی میں حضرت والا کو ایسے بزرگ کی صحبت نصیب ہوئی جو اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مولانا شاہ محمد احمد صاحب زبردست عاشق خدا تو تھے ہی لیکن اللہ کے عاشق تو بہت دیکھے مگر اللہ کے بندوں سے ایسی محبت کرنے والا نہیں دیکھا۔ مولانا کے مہمان اور مریدین جب آتے تھے تو حضرت بہت خوش ہوجاتے تھے اور کچھ دن رہ کر جب وہ رخصت ہوتے تھے تو جہاں تک وہ نظر آتے تھے مولانا دور تک ان کو دیکھتے رہتے اور ان کے رہنے کی جگہ اور ان کے برتنوں کو دیکھ کر اشکبار ہوتے کہ یہاں میرے مہمان رہتے تھے اور ان برتنوں میں کھاتے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مولانا محمد احمد صاحبؒ کی مجلس میں میں نے کبھی دنیا کا ذکر نہیں سنا، ہر وقت یادِ الٰہی میں سرشار اور اللہ کی محبت میں مولانا محمد احمد صاحبؒ کے درد بھرے اشعار، مولانا کی مجلس اشعار کی مجلس ہوتی تھی۔ حضرت مولانا کی آواز بھی ایسی دردناک تھی جیسے بانسری بج رہی ہو۔ ہر بزرگ کے یہاں نسبت منتقل ہونے کے طریقے مختلف ہیں، مولانا کے یہاں نسبت اشعار سے منتقل ہوتی تھی۔ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ عشاء کے بعد اشعار کی مجلس شروع ہوئی مولانا کیف ووجد کے عالم میں اشعار پڑھ رہے ہیں اور سامعین پر بے خودی طاری ہے یہاں تک کہ نصف شب ہوگئی لوگوں نے تہجد پڑھی تہجد کے بعد پھر مجلس شروع ہوگئی اور حضرت فجر تک درد بھرے ترنم سے اشعار پڑھتے رہے لوگوں نے مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی اور پھر آگئے اور پھر مجلس شروع ہوگئی اور اشراق کی نماز پڑھ کر لوگ گھر گئے اور نصف شب کے قریب اگر کسی نے گھڑی دیکھ لی تو مولانا کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور فرماتے تھے کہ نصف شب کے

بعد جب مجھ پہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو لوگوں کو نیند آنے لگتی ہے اور بہت درد بھرے انداز میں یہ شعر پڑھتے ؎

داستاں عشق کی ہم کس کو سنائیں آخر
جس کو دیکھو وہی دیوار نظر آتا ہے

اور حضرت سے فرماتے کہ میری مجلس میں کبھی آپ کی آنکھ نہیں جھپکتی۔

حضرت کو اللہ نے شعر و سخن کا فطری ذوق عطا فرمایا ہے اس کی تربیت مولانا محمد احمد صاحب کی صحبت سے ہوئی لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ شاعری میں میرا کوئی استاد نہیں میں نے کسی سے ردیف قافیہ نہیں سیکھا شاعری میں میرا درد میرا استاد ہے۔ چنانچہ آغاز جوانی میں جبکہ حضرت کے ڈاڑھی مونچھ کا ایک بال بھی نہیں آیا تھا حضرت کی زندگی کا پہلا شعر ہوا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کہنہ مشق استاد کا ہے اور حضرت کے سینہ میں منجانب اللہ جو آتش محبت ودیعت ہوئی ہے اس کا ترجمان ہے، وہ شعر یہ ہے ؎

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں اک ماہیِ بے آب ہے

پاکستان آنے کے سولہ سال بعد جب حضرت اپنے شیخ ثانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہلی بار ہندوستان گئے تو حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام اکابر اور دیگر احباب و متعلقین کو اطلاع کر دی حضرت مولانا محمد احمد صاحب الٰہ آباد سے تشریف لائے اور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مغربی بنگال میں تھے جہاں ان کی آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا لیکن مفتی صاحب تشریف لائے اور حضرت سے فرمایا کہ ڈاکٹر مجھ کو سفر سے منع کر رہے تھے کہ سفر نہ کریں آنکھ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے لیکن میں آپ کی محبت میں آ گیا۔

ہردوئی میں قیام کے دوران حضرت مولانا ابرار الحق صاحب نے حضرت کو وعظ کہنے کا حکم دیا۔ حضرت مفتی محمود حسن صاحب بھی مجلس میں موجود تھے حضرت نے فرمایا

کہ مفتی صاحب کی موجودگی میں ان کے علم کے اکرام کی وجہ سے مجھے جھجھک ہورہی تھی۔ میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ اپنے کمرے میں تشریف لے جا کر آرام فرمائیں تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ اچھا آپ مجھے اپنے وعظ سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔غرض حضرت نے بیان فرمایا جس سے تمام سامعین پر وجد طاری تھا اور اکابر بھی اشکبار تھے۔ بیان کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا کہ اللہ کسی کو زبان دیتا ہے تو دل نہیں دیتا کسی کو دل دیتا ہے تو زبان نہیں دیتا۔آپ کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل اور زبان دونوں عطا فرمائے ہیں۔

ایک اور سفر میں حضرت جب ہردوئی تشریف لے گئے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب سے حضرت والا کے تعلق کی وجہ سے شیخ نے حکم دیا کہ الٰہ آباد میں مولانا محمد احمد صاحب آپ کے منتظر ہیں جا کر ان سے مل آیئے۔مولانا نے وہاں حضرت کا بیان کرایا۔ بیان کے بعد فرمایا کہ روح المعانی کے حوالوں سے تو بہت سے علماء بیان کرتے ہیں لیکن آپ جو روح المعانی سے بیان کرتے ہیں اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے جو درد آپ کو عطا فرمایا ہے وہ روح المعانی کی لذت بڑھا دیتا ہے۔

اور مکہ معظّمہ میں ایک بار حج کے موقع پر حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ ہوگیا۔حج کے بعد اپنے حجرہ میں حضرت مولانا کی طبیعت کچھ مضمحل تھی حضرت سے فرمایا کہ کچھ سنایئے۔حضرت نے مثنوی کے اشعار کی تشریح فرمائی تو مولانا شاہ محمد احمد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میرے سر میں شدید درد تھا آپ کی تقریر سے بالکل جاتا رہا اور طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی۔

خیر میں تو حضرت کے زمانۂ طفولیت کے حالات بیان کررہا تھا کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور ترتیب باقی نہ رہی اور ترتیب مقصود بھی نہیں، مقصود تو حضرت والا کے حالات بیان کرنا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے سلسلۂ مکاتبت برائے بیعت

طبیہ کالج کے زمانے میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ راحت القلوب مل گیا جس کے مطالعہ سے حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت ہوگئی اور طے کیا کہ اسی سلسلہ میں داخل ہونا ہے۔

ترجمۃ المصنف میں حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''اسی زمانے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ راحت القلوب ہاتھ لگ گیا۔ اس کے مطالعہ نے میری بڑی رہبری کی اور صحیح راہ دکھادی حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کے لیے سلسلہ مکاتبت شروع کیا۔ افسوس کہ حضرت اس وقت اپنی زندگی کے آخری ایام میں تھے مولانا شبیر علی صاحب نے لکھا کہ حضرت والا علیل ہیں خلفاء میں سے کسی مصلح کا انتخاب کرلیا جاوے چند دن بعد خبر معلوم ہوئی کہ حضرت حکیم الامت تھانوی کا وصال ہوگیا۔ طبیہ کالج میں چھٹی ہوگئی۔ روتا ہوا گھر آیا اور آہ و بکا کے ساتھ کچھ تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا۔ دل پر سخت صدمہ تھا۔ مثنوی نالۂ غمناک پڑھنا شروع کی اور خوب جی بھر کے رویا۔ صرف دو اشعار اس کے اب بھی یاد ہیں ؎

جو تھے نوری وہ گئے افلاک پر
مثل تلچھٹ رہ گیا میں خاک پر
بلبلوں نے گھر کیا گلشن میں جا
بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

(نوٹ: مندرجہ بالا واقعات احقر نے حضرتؒ کی حیات مبارکہ میں تحریر کیے تھے کچھ مضامین کا اضافہ اب کیا جارہا ہے، کیونکہ حضرتؒ کی علالت کی وجہ سے یہ سلسلہ موقوف ہوگیا تھا اس کے بعد کی سوانح اب مختصراً حضرتؒ کی وفات کے بعد تحریر کررہا ہوں۔ جامع)

والد صاحب کی وفات

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد صاحب اکلوتے فرزند تھے اس لئے آپ کے والد صاحب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے بے انتہاء محبت فرماتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ طبیہ کالج سے جب چھٹیوں میں گھر آتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والد صاحب ایک ماہ پہلے سے اپنی آنکھوں میں سرمہ لگاتے تا کہ اپنے بیٹے کا چہرہ صاف طور سے دیکھ سکیں۔ طب یونانی کے آخری سال میں امتحانات کے زمانے میں والد صاحب کو مرض الموت لاحق ہوا لیکن انہوں نے منع فرما دیا کہ میرے بیٹے کو اطلاع نہ کرنا ورنہ وہ امتحان نہ دے سکیں گے۔ یہاں تک کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ایسے شفیق والد پر جنہوں نے بہت ناز و نعمت میں حضرت کو پالا تھا ان کی جدائی پر حضرت کو کتنا غم ہوا ہوگا۔ حضرت والا ترجمۃ المصنف میں تحریر فرماتے ہیں:

''احقر جب ۱۷ سال کا ہوا اور طبیہ کالج کا آخری امتحان کا آخری پرچہ لکھ کر شام کو قیام گاہ پر آیا تو گھر کا خط ملا جس میں میرے والد صاحب کا سایہ میرے سر سے اٹھ جانے کی خبر تھی قلب کو بہت سخت صدمہ ہوا۔ گھر کے سامنے قبرستان تھا۔ قبروں کو نگاہِ عبرت سے دیکھا اور دل کو سمجھایا کہ ایک دن تجھے بھی اسی مسکن میں دفن ہونا ہے اور حق تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا ہی عین عبدیت ہے۔''

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ دورِ نابالغی سے شیخ کامل کی تلاش میں بے چین رہتے تھے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد یہ بے چینی اور بڑھ گئی۔ ترجمۃ المصنف میں تحریر فرماتے ہیں: ''۱۲ سال کی عمر ہی سے شیخ کامل کی تلاش میں بے چین رہتا تھا اور اس طلب و دھن میں ہر فقیر و درویش صورت کے پاس پہنچتا مگر تسلی نہ ہوتی اور قلب میں تلاشِ حق کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

انتخاب مرشد

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ راحت القلوب مطالعہ کرنے کے بعد سلسلہ تھانوی ہی سے عقیدت ہوگئی اور یہ طے کیا کہ اسی سلسلہ میں داخل ہونا ہے بچپن ہی سے قلب میں یہ تہیہ کررکھا تھا کہ شیخ ومرشد اسی کو انتخاب کروں گا جو سراپا سوختہ جان سراپا عشق اور سراپا درد ہو، عشق الٰہی میں سرشار اور وارفتگی و دیوانہ مزاجی کے ساتھ حق تعالیٰ کے لئے اس کی جان پاک شدید والہانہ تعلق سے ہر وقت ماہیِ بے آب ہو، عشق حق اس کے ہر بُن مو سے ٹپکتا ہو، اس کے نالہائے نیم شب اور اس کی آہ وفغان اور اس کی آنکھیں اس کے درد باطن پر شہادت پیش کررہی ہوں ؎

بوئے مے را گر کسے مکنوں کند
چشم مست خویشتن راچوں کند

الہ آباد میں ایک دوست نے مجھے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق چشم دید کیف و دیوانگی اور وارفتگی کا کچھ اجمالی خاکہ بتایا جس سے مجھے اُمید ہوگئی کہ میری مناسبت وہیں ہوگی، حق تعالیٰ نے غیب سے اعانت فرمائی اور احقر نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے مکاتبت کا سلسلہ شروع کردیا اور حضرت ہی کو اپنا مرشد منتخب کرلیا۔ احقر نے حضرت اقدس کی خدمت میں اپنی اصلاح کے لئے جو پہلا خط لکھا تھا اس میں یہ شعر لکھا ؎

جان و دل اے شاہ قربانت کنم
دل ہدف را تیرِ مژگانت کنم

اس پہلے خط کے جواب میں مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ آپ کا مزاج عاشقانہ معلوم ہوتا ہے اور اہل عشق ومحبت اللہ کا راستہ بہت جلد طے کرلیتے ہیں، محبتِ شیخ مبارک ہو جو تمام مقاماتِ سلوک کی مفتاح ہے اور حضرت نے خط سے

بیعت فرما کر کچھ ذکر واذ کار تلقین فرمائے۔‘‘

حضرتؒ ترجمۃ المصنف میں مزید تحریر فرماتے ہیں: حضرت کی زیارت کے لیے قلب مشتاق و بے چین رہتا مگر کچھ موانع پیش تھے راتوں کو آسمان پر چاند تاروں سے تسلی حاصل کرتا اور قدرت کی ان نشانیوں سے دلِ بے تاب کو تسکین ہوتی۔ کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر بار بار حق تعالیٰ سے یہ عرض کرتا۔

اپنے ملنے کا پتہ کوئی نشاں
تو بتادے اے مرے ربِّ جہاں

احقر تعلیم طب سے فارغ ہو کر جب اپنے وطن واپس آ گیا تو گاؤں میں بھی ایک مسجد کسی قدر آبادی سے باہر تھی اور کچھ غیر آبادسی تھی وہاں سنّاٹا رہتا تھا۔ احقر اسی مسجد میں ذکر کرتا اور بہت لطف آتا۔ اس زمانہ میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا۔

پھرتا ہوں جنگلوں میں کبھی کوئے یار میں
وحشت میں اپنا چاک گریباں کئے ہوئے
ہم عشق میں ان کے بھلا کیا کیا نہیں کرتے
سر دھنتے نہیں اپنا کہ رویا نہیں کرتے

سیر صحرا کا لطف تو حضرت محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی دامت برکاتہم نے اپنے ایک شعر میں جس انداز سے بیان فرمایا ہے آج تک اس موضوع پر اس سے عمدہ شعر نظر سے نہیں گذرا۔ فرماتے ہیں۔

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے

قلب کا یہی تقاضا ہوتا اور یہی تمنا ہوتی کہ صحرا کے سنّاٹے میں میاں کو یاد کر کے خوب رویا کروں۔ قصہ مختصر یہ کہ تاب زنجیر ندارد دلِ دیوانۂ ما کا معاملہ آ پہنچا اور احقر نے والدہ صاحبہ کی اجازت سے حضرت اقدس مولانا شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضری کا قصد کرلیا۔

احقر عین بقرعید کے دن نماز عید الاضحیٰ سے ایک گھنٹہ قبل پھولپور پہنچا۔ عجیب خوشی ومسرت تھی یہ تصور ذرہ ذرہ سے قلب کو مسرور کر رہا تھا کہ یہ میرے مرشد کا شہر ہے ؎

شہرِ تبریز ست و شہرِ شاہ من
نزد عاشق ایں بود حبُّ الوطن (رومیؒ)

میرے مرشدؒ اس وقت تلاوت میں مشغول تھے۔ ٹوپی زمین پر رکھی ہوئی تھی سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے گریباں چاک تھا۔ اچانک میری طرف دیکھا۔ احقر نے عرض کیا۔ السلام علیکم۔ محمد اختر ہوں۔ پرتاب گڑھ سے آیا ہوں اصلاح کی غرض سے۔ ۴۰/دن قیام کا ارادہ ہے۔ یہ تین باتیں ایک سانس میں کہہ گیا اور یہ آدابِ حاضری حضرت اقدس تھانویؒ کی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ حضرت نے بڑے صاحبزادے کو پکارا اور فرمایا ان کے لیے ناشتہ لاؤ اور حکم فرمایا ناشتہ کرکے کچھ آرام کرلو۔

ایک ہی نظر میں ایسا معلوم ہوا کہ احقر حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی زیارت کر رہا ہے۔ جلد مبارک پر جگہ جگہ عشق الٰہی سے جلے ہوئے نشانات ژولیدہ بال، گریبان چاک تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مسلسل آہوں کی آواز۔ پس قلبی مراد پوری ہوتی نظر آئی کہ جیسا پیر اللہ سے چاہتے تھے اپنے کرم کے صدقہ میں ویسا ہی عطا فرمایا۔ احقر کے یہ اشعار اسی نقشہ کو کھینچتے ہیں ؎

ہم نے دیکھا ہے ترے چاک گریبانوں کو
آتش غم سے چھلکتے ہوئے پیمانوں کو

ہم نے دیکھا ہے ترے سوختہ سامانوں کو
سوزشِ غم سے تڑپتے ہوئے پروانوں کو

ہم فدا کرنے کو ہیں دولتِ کونین ابھی
تو نے بخشا ہے جو غم ان پھٹے دامانوں کو

حضرت کی والہانہ عبادت ذکر و تلاوت اور تہجد کی ہر دو رکعت کے بعد سجدہ میں دیر تک دُعا مانگنا اور آہستہ آہستہ رونے کا نقشہ احقر کی نگاہوں میں اب تک پیوست ہے۔ احقر نے ایسی والہانہ عبادت کثرتِ آہ و نعرہ ہائے عشق کے ساتھ کرتے ہوئے پھر کسی کو نہ دیکھا۔ اور حضرت والا کے رہن سہن کی سادگی حدیث کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ کی شرح تھی۔ گھر کے احاطۂ صحن کی خام دیواروں کے کنارے بارش سے کٹے پٹے اور چٹائیوں کے ایک چھپر میں حضرت کا اکثر آرام فرمانا، کبھی دریا کی طرف سیر کرنا اور اکثر مغرب کے بعد عشاء تک صرف تاروں کی روشنی میں مسجد کی کھلی چھت والے حصہ میں ذکر اللہ اور تلاوت میں بار بار آہوں کی آواز اور نعرہ ہائے درد کے ساتھ مشغول رہنا احقر کو آج بھی جب یاد آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ خانقاہ شریف کی سادگی دیکھ کر غالب کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

کوئی ویرانی سے ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میرے مرشدؒ نے اپنے آستاں سے ایسے چپکایا کہ آخری سانس تک تاب جدائی نہ لا سکا اور تقریباً سولہ برس دن رات کی صحبت کا شرف حاصل رہا اور اختر پر یہ حق تعالیٰ کا انعام عظیم اور یہی میرا حاصل مراد ہے۔'' (انتہی کلامہ)

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ یہ سولہ سال حضرت والا نے ایسے مجاہدے سے گذارے جس کا تصور کرنا بھی ہم جیسوں کے لئے ناممکن ہے ان مجاہدات کا مختصر تذکرہ اپنے اگلے مضمون ''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں'' میں کروں گا۔

شیخ کا والہانہ عشق اور خدمات و مجاہدات

حضرت والا فرماتے تھے کہ میرے شیخ حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ تو اس دُنیا کے آدمی ہی نہ تھے، ہمہ وقت اللہ کی یاد میں غرق اور کیف وجذب

میں رہتے تھے۔حضرت کے گھر میں نہ بیت الخلاء تھا نہ غسل خانہ،قضاء حاجت کے لیے جنگل میں جانا ہوتا۔حضرت کی مسجد کے سامنے ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس میں بہت جونکیں تھیں،سردیوں میں اس کا پانی برف کی مانند ٹھنڈا ہوجاتا۔جب نہانے کی حاجت ہوتی تو سردیوں میں بھی اسی تالاب میں نہاتے اور جیسے تالاب میں داخل ہوتے تو ایسا لگتا کہ بچھوؤں نے ڈنک ماردیا ہو اور جونکوں کو بھی ہٹاتے جاتے کہ کہیں چپک نہ جائیں۔شدید گرمیوں کے زمانے میں چلچلاتی دھوپ اور لُو میں روزانہ ایک میل دور ندی سے شیخ کے لیے پانی بھر کر لاتے کیونکہ حضرت شیخ پھولپوری نوراللہ مرقدہ کنویں کا پانی استعمال نہیں فرماتے تھے کیونکہ اس میں سے ہندو بھی پانی بھرتے تھے۔حضرت فرماتے تھے کہ اگرچہ اس کا استعمال جائز ہے مگر میرا دل اس کے استعمال کو نہیں چاہتا کیونکہ اگر کبھی اس کو استعمال کرلیتا ہوں تو دل پر قبض کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

حضرت رات ڈیڑھ بجے تک اپنے شیخ کے پاؤں دباتے اور جب شیخ سوجاتے تو حضرت بھی سونے کے لیے لیٹ جاتے۔حضرت پھولپوری تین بجے بیدار ہوجاتے تو حضرت بھی فوراً اُٹھ جاتے۔حضرت فرماتے تھے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ کو مجھے بیدار کرنا پڑا ہو میں پہلے ہی بیدار ہوجاتا تھا اور تہجد کے لیے شیخ کو وضو کراتے۔حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ پہلوان تھے بہت طاقتور تھے،رات تین بجے سے صبح نو دس بجے تک اور کبھی گیارہ بجے تک مسجد میں سات آٹھ گھنٹے عبادت میں مشغول رہتے۔حضرت فرماتے کہ میں کمزور تھا اتنی عبادت نہیں کرسکتا تھا مگر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر شیخ کے ذکر وتلاوت کو سنتا رہتا تاکہ شیخ کی عبادت میں خلل نہ پڑے۔حضرت درمیان درمیان میں اللہ اللہ کہتے تو میں تصور میں اپنا دل حضرت شیخ کے دل سے ملا دیتا کہ شیخ کے دل کا نور میرے دل میں داخل ہورہا ہے۔فجر کے قریب جب نماز کی تیاری کے لیے حضرت مسجد سے نکلتے تو میں حضرت شیخ پھولپوریؒ کے جوتے حضرت کے قدموں میں رکھ دیتا،حضرت خوش ہوجاتے اور فرماتے ماشاءاللہ۔

جیسا کہ پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ حضرت شیخ مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوریؒ بڑھاپے کی وجہ سے ناشتہ نہیں کرتے تھے تو حضرت بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے کہ مجھے ناشتہ بھیجنے میں حضرت کے گھر والوں کو تکلیف ہوگی۔ حضرت کی جوانی تھی کڑاکے کی بھوک لگتی تھی لیکن صبح سے دوپہر ایک بجے تک چنے کا ایک دانہ بھی منہ میں نہیں جاتا تھا، میرا ناشتہ ذکر و تلاوت و اشراق سے ہوتا تھا، دوپہر ایک بجے شیخ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ حضرت فرماتے تھے کہ شیخ کی صحبت میں بھوک اور تمام مشقتیں آسان ہوگئی تھیں اور اتنا مزہ آتا جس کا نور ابھی تک محسوس ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ پھولپور میں قیام کی طویل مدت میں حضرت اتنے مجاہدات، مشقت اور حاسدین کی ایذا رسانیوں سے گذرے ہیں جن کا اجمالی ذکر اپنے اگلے مضمون ''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں'' میں کروں گا، قارئین وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

تحصیل علوم دینیہ

میرے حضرت عارف باللہ مجدد زمانہ شیخ العرب والعجم حضرت مرشدنا و مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ نے عربی درسیات کی تعلیم اپنے شیخ کے مدرسہ بیت العلوم ہی میں حاصل کی اور اتنی محنت اور جانفشانی سے پڑھا کہ درس نظامی کے آٹھ سالہ نصاب کی چار سال میں تکمیل کی۔ حضرت کے بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ حدیث کی کتابیں دار العلوم دیوبند میں پڑھنی چاہیے لیکن حضرت نے انکار فرمادیا کہ وہاں مجھے شیخ کی صحبت نہیں ملے گی جو علم کی روح ہے اور میرا مقصود ہے، علم میرے نزدیک درجہ ثانوی میں ہے اور اللہ کی محبت درجہ اولیٰ میں ہے، میں علم اس لیے حاصل کر رہا ہوں کہ مجھے معلوم ہوجائے کہ کن باتوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں تاکہ وہ کروں اور کن باتوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تاکہ ان سے بچوں جس پر عمل کی توفیق صحبت شیخ پر موقوف ہے۔ اس لیے میں حضرت کو چھوڑ کر دیوبند نہیں جاؤں

گا۔حضرت کے ساتھیوں نے مذاق اڑایا کہ ہماری سندوں میں فاضل دیوبند لکھا ہوگا اور آپ کی سند میں فاضل بیت العلوم لکھا ہوگا اور بیت العلوم کو کون جانتا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ فاضل دیوبند کہلانے کے لیے علم حاصل نہیں کررہا ہوں اللہ کی محبت سیکھنے کے لیے کررہا ہوں۔حضرت والا کی اس طلب واخلاص وفنائیت کی برکت ہے کہ آج بڑے بڑے فضلاءِ دیوبند حضرت والا کے حلقۂ ارادت میں ہیں اور حضرت والا کے ارشادات کو نوٹ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت والا کی زبان مبارک سے جو علوم ہم سنتے ہیں وہ نہ ہم نے کہیں پڑھے نہ سنے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کے چند پارے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے پڑھے جو صرف ایک واسطہ سے حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں یعنی حضرت شیخ پھولپوریؒ کے استادِ حدیث مولانا ماجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت قطب العالم مولانا گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں۔اس طرح حضرت والا صرف دو واسطوں سے حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں۔حضرت فرماتے تھے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اتنی قریبی سند اس زمانے میں شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔

بیوہ والدہ صاحبہ کے نکاحِ ثانی پر اعزاء کی گستاخی وملامت اور حضرت کی کرامت کا ظہور

ترجمۃ المصنف میں حضرت والا تحریر فرماتے ہیں:

"تعلق شیخ کے تقریباً چار سال بعد حضرت اقدس کی اہلیہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا ایک عرصہ بعد ایک دن فرمایا کہ بغیر بیوی کے بہت تکلیف ہوتی ہے بعض بیماری ایسی آجاتی ہے کہ پیشاب پاخانہ کی خدمت بیوی ہی کرسکتی ہے۔

احقر نے والدہ صاحبہ سے نکاح کے متعلق مشورہ کیا۔ پھر حضرت اقدس سے درخواست کی۔ بہت مسرور ہوئے اور عقد فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی

والدہ صاحبہ سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقد فرمایا تھا“۔(انتہیٰ کلامہ)

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ پھر آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوا۔ بعینہٖ یہی خواب حضرت کی والدہ صاحبہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے دیکھا تھا کہ چاند اُن کی گود میں آ گیا اس میں بہت بڑی بشارت ہے کہ والدہ صاحبہ کا نکاح ان سے ہوا جو نائب رسول ہیں۔

ہندوستان میں خصوصاً دیہاتوں میں ہندوؤں کے اثر سے بیوہ کے نکاح کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ نکاح کے بعد جب حضرت اپنے وطن واپس آئے تو خاندان والوں نے بدتمیزی اور لعن طعن کی۔ حضرت نے ان کو کچھ جواب نہیں دیا اور مسجد میں جا کر دو نفل پڑھ کر روتے روتے سجدہ میں گر گئے۔ حضرت کے بھانجے محمد احمد صاحب اس کے راوی ہیں کہ تھوڑی دیر گذری تھی کہ بدتمیزی اور لعن طعن کرنے والوں پر مصیبتیں نازل ہو گئیں کسی کی بیوی بیمار پڑ گئی اور مرنے کے قریب ہو گئی، کسی کا بچہ چھت سے گر پڑا، کسی کے پیٹ میں سخت درد ہو گیا۔ غرض سارے خاندان والے مصیبت اور پریشانی میں گرفتار ہو گئے تو پھر سب مل کر حضرت کے پاس مسجد میں گئے اور حضرت کے پاؤں پر گر گئے کہ اللہ کے لیے ہم کو معاف کر دیجئے۔ حضرت نے سب کو معاف فرما دیا اور ان کی تمام مصیبتیں جاتی رہیں۔

حضرت والا کا نکاح، سادگیِ معاشرت اور اہلیہ صاحبہ کی دین داری

حضرت نے اپنا نکاح اپنے آبائی وطن میں نہیں فرمایا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر میں اپنے وطن میں نکاح کرتا تو شیخ سے دور ہو جاتا کیونکہ میرا وطن پھولپور سے بہت دور تھا اور بار بار وہاں جانا پڑتا اور بار بار شیخ سے جدا ہونا پڑتا جو مجھے گوارا نہ تھا اس لئے پھولپور کے بہت قریب ایک گاؤں کوٹلہ میں اپنا نکاح ایسی خاتون سے فرمایا جو عمر میں حضرت سے پندرہ سال بڑی تھیں لیکن ان کے تقویٰ و دینداری اور بزرگی کا پورے

گاؤں میں شہرہ تھا۔ حضرت کی معاشرت بالکل سادہ اور تکلفات سے پاک تھی جس کی مثال یہ ہے کہ حضرت نے اپنا نکاح خود پڑھایا کیونکہ گاؤں میں کوئی عالم نہیں تھا۔

حضرت کی اہلیہ صاحبہ بہت ہی اللہ والی تھیں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیخ کی صحبت میں مدتِ طویلہ تک رہنا اُن کی وجہ سے ہی ممکن ہوا حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے شدید والہانہ تعلق کو دیکھ کر اہلیہ (حضرت پیرانی صاحبہؒ) نے شروع ہی میں خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ آپ جب تک چاہیں شیخ کی خدمت میں رہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا ہماری طرف سے آپ پر کوئی پابندی نہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وہ ہمیشہ دین میں میری معین رہیں اور ابتداء ہی سے مجھ سے کہا کہ ہم ہمیشہ آپ کا ساتھ دیں گے جو کھلائیں گے کھالیں گے، جو پہنائیں گے پہن لیں گے، اگر آپ فاقہ کریں گے ہم بھی فاقہ کریں گے، آپ جنگل میں رہیں گے تو ہم بھی جنگل میں رہیں گے، آپ سے کبھی کوئی فرمائش یا مطالبہ نہیں کریں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ انہوں نے اس عہد کو پورا کر دکھایا اور زندگی بھر کسی چیز کی فرمائش نہیں کی، نہ زیور کی، نہ کپڑے کی، نہ مال کی، دنیا کی محبت ان میں تھی ہی نہیں، جانتی ہی نہ تھیں کہ دنیا کس کُتّی کا نام ہے۔ جب گھر میں داخل ہوتا تو اکثر و بیشتر تلاوت کرتی ہوتیں آخر میں بہت بیمار رہتی تھیں لیکن نماز ذکر و تلاوت میں کمی نہ کرتیں۔ میں کہتا بھی کہ نفلی عبادت کچھ کم کر دیجیے تو ہنس کر خاموش ہو جاتیں، حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے حضرت کے لیے فرمایا تھا کہ یہ تو صاحب نسبت ہیں ہی، لیکن ان کی گھر والی بھی صاحب نسبت ہیں۔

۱۹۶۰ء میں اپنے شیخ حضرت پھولپوریؒ کے ساتھ حضرت نے پاکستان ہجرت کی لیکن بچوں کو ساتھ نہ لائے کیونکہ کچھ عرصے بعد حضرت پھولپوری کو تھوڑے دن کے لیے ہندوستان واپس جانا تھا لیکن بعض حالات کی وجہ سے حضرت پھولپوری واپس نہ جاسکے اور پاکستان میں ایک سال قیام کرنا پڑا حضرت بھی شیخ کے ساتھ پاکستان

رہے، یہ ایک سال حضرت پیرانی صاحبہ نے بڑے مجاہدے میں گذارا۔لیکن کبھی شکایت لکھ کرنہیں بھیجی۔ ان کی حیا اور پردہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی گھر سے باہرنہیں نکلیں۔اسی زمانے میں حضرت کے فرزند مولانا مظہر صاحب جواس وقت بچے تھے سخت بیمار ہوگئے،بس ایک خط میں بچہ کی شدید علالت کا تذکرہ کیا اور دعا کے لیے عرض کیا،واپسی کا مطالبہ اور شکایت پھربھی نہ لکھی۔

گذر گئی جو گذرنا تھی دل پہ پھر بھی مگر
جو تیری مرضی کے بندے تھے لب ہلا نہ سکے

ایک بار احقر راقم الحروف کے بہنوئی سخت بیمار ہوگئے ان کی عیادت کے لیے احقر ناظم آباد جانے لگا تو احقر نے حضرت کے چھوٹے پوتے عبداللہ میاں سلّمہٗ سے کہا جواس وقت بچے تھے کہ دادی سے دُعا کی درخواست کردینا۔مغرب کے بعد جب احقر واپس ہوا تو عبداللہ میاں سلّمہ سے پوچھا کہ دادی سے دُعا کرائی تھی؟عبداللہ میاں سلّمہٗ نے کہا کہ ہاں! جب میں نے دادی سے دُعا کے لئے کہا تو دادی سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں، دُعا کا سن کر دادی اٹھیں وضو کیا دونفل پڑھے اور دیر تک دُعا کی ،احقر کو بہت شرمندگی ہوئی کہ اتنی بیماری اور کمزوری کی حالت میں حضرت پیرانی صاحبہ نے اتنی تکلیف اُٹھائی حالانکہ میں نے تو صرف دُعا کے لیے عرض کیا تھا۔حضرت والا کو احقر نے یہ واقعہ سنایا اور بہت ندامت کا اظہار کیا۔حضرت والا نے مجھ سے فرمایا کہ آج میں تمہیں ایک راز کی بات بتاتا ہوں کہ میں خود ان کا معتقد ہوں اوران کے وسیلہ سے دُعا کرتا ہوں، یہ اس دور کی رابعہ بصریہ ہیں۔انتقال سے دوتین دن پہلے گھر کے افراد کو اور عیادت کے لیے آنے والی عورتوں کو کئی باراُن کے قریب ایسی خوشبومحسوس ہوئی جوزندگی بھرکبھی نہیں سونگھی تھی۔

حضرت والا کے پسماندگان میں الحمدللہ ایک صاحبزادے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ)

اور ایک صاحبزادی صاحبہ ہیں اور ماشاء اللہ پوتے، پوتیاں اور نواسے، نواسیاں ہیں۔ حضرت کے سب پوتے ماشاء اللہ حافظ و عالم ہیں اور نہایت متقی، محبت والے اور خوش اخلاق اور حضرت والا کے اجازت یافتہ ہیں۔ حضرت کے نواسے بھی ماشاء اللہ حافظِ قرآن ہیں اور سب نواسے نہایت صالح متقی، متبع سنت اور محبت والے ہیں۔ غرض حضرت کی تمام اولاد اور گھر والے این خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق ہیں۔ حضرت نہایت درد سے آبدیدہ ہوکر اکثر یہ دُعا فرماتے تھے کہ یا اللہ میری اولاد میں قیامت تک سب کو اللہ والا بنائیے کیونکہ آپ کا فاسق دیکھنے میں میرے دل میں تحمل نہیں۔ حضرت والا کے دو صاحبزادے اور تھے محمد ازہر، محمد اطہر جو بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

شیخ پر فداکاری، بشارت منامیہ اور خلافت و اجازتِ بیعت

ترجمۃ المصنف میں حضرت والا تحریر فرماتے ہیں:

''اختر اس وقت ۲۱ سال کا تھا اور توفیق الٰہی سے اپنا عالمِ شباب ایک بوڑھے شیخ کی خدمت وصحبت دائمہ پر نذر و فدا کر رہا تھا۔ خانقاہ شریف قصبہ سے باہر تھی۔ عجیب تنہائی کا عالم تھا۔ ایک دن والدہ صاحبہ سے حضرت مرشدؒ نے فرمایا کہ اختر میرے ساتھ ایسے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے جیسے کہ دودھ پیتا بچہ ماں کے پیچھے پیچھے لگا رہتا ہے۔

ایک دن خواب دیکھا کہ میری پیشانی کے وسط میں حضرت مرشدؒ نے اللہ لکھا اور اب تک یاد ہے کہ انگشت شہادت سے کس طرح اللہ لکھ رہے تھے، اسی اثنا میں ایک دن خواب دیکھا کہ احقر حج کے لیے بمبئی گیا اور بحری جہاز پر سوار ہوگیا، دل میں آرہا ہے کہ مجھے حمل ہے اور خوف ہو رہا ہے کہ جہاز ہی میں وضع حمل کا قصہ نہ پیش ہو۔ بیدار ہونے پر حضرت مرشدؒ کو خواب پیش کیا جواب تحریر فرمایا کہ آپ کو نسبت متعدیہ کی بشارت ہے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ نسبت کی دو قسمیں ہیں۔ وہ تعلق مع اللہ جو دوسرے تک

اپنا اثر نہ کرے اس کونسبت لازمہ کہتے ہیں اور جو تعلق مع اللہ دوسروں پر بھی اثر انداز ہو اس کونسبت متعدیہ کہتے ہیں۔حق تعالیٰ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت کو احقر کے حق میں قبول فرماویں۔آمین!

شیخ کی اس بشارت کے کچھ دن بعد پھر خواب دیکھا کہ حضرت مرشدؒ نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم سے ارشاد فرمایا کہ آپ اختر کو اجازت دے دیں۔ان دونوں خوابوں کی تعبیر کا ظہور اس طرح ہوا کہ حضرت والا نے آخری وصیت فرمائی تھی کہ ہمارے متعلقین کو لکھ دو کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی دامت برکاتہم سے اصلاحی تعلق کرلیں۔حضرت اقدس کے وصال کے بعد حسب وصیت احقر نے بھی تعلق اصلاحی حضرت مولانا سے کرلیا''۔(انتہیٰ کلامہ)

شیخ ثانی کا ادب

حضرت فرماتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے میرا بہت بے تکلفی کا تعلق تھا، خوب ہنسی مذاق رہتی تھی کیونکہ حضرت ہردوئی کا اصلاحی تعلق بھی حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اس لئے بالکل پیر بھائیوں جیسی بے تکلفی تھی۔حضرت ہردوئی کے خطوط کے اور دیگر بڑے بڑے علماء کے خطوط کے جوابات حضرت پھولپوری میرے مرشد حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ سے لکھواتے تھے حضرت پھولپوری کو حضرت پر اتنا اعتماد تھا لیکن حضرت فرماتے تھے کہ جب حضرت ہردوئی سے اصلاحی تعلق قائم کیا تو میں نے سوچا کہ اب بے تکلفی جائز نہیں کیونکہ غلامی ہے یہ دوستانہ نہیں ہے۔حضرت کے شیخ اول حضرت پھولپوری اور شیخ ثانی حضرت ہردوئی کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔حضرت پھولپوری کی شان عاشقانہ تھی ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق، حضرت کو معلوم ہی نہ تھا کہ گرد و پیش میں کیا ہو رہا ہے، حضرت سراپا محبت تھے، عشق الٰہی میں ڈوبے رہتے تھے جبکہ حضرت ہردوئی کی شان

جلالی انتظامی اور اصلاحی تھی ہر وقت بیدار مغز اور کسی بھی بے اصولی کو برداشت نہیں فرماتے تھے فوراً اصلاح فرماتے۔ لیکن حضرت ہردوئی سے اصلاحی تعلق کے بعد حضرت نے اپنے کو ایسا مٹایا جیسے کوئی ادنیٰ طالب علم اپنے استاذ کا ادب کرتا ہے۔ احقر نے خود دیکھا ہے کہ جب حضرت ہردوئی ہندوستان سے تشریف لاتے تو ہفتوں پہلے حضرت خانقاہ کی صفائی اور انتظام کا خاص اہتمام فرماتے اور فرماتے کہ میرے شیخ کے مزاج میں نفاست ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسی کوئی بات ہو جائے جو حضرت کو ناگوار ہو اور حضرت کا قلبِ مبارک مکدّر ہو جائے اور جب حضرت خانقاہ میں قیام فرماتے تو حضرت اپنی نشست گاہ پر تشریف نہیں رکھتے تھے کہ اب یہ میرے شیخ کی جگہ ہے اس پر بیٹھنا خلاف ادب ہے اور شیخ کے سامنے دو دو گھنٹے دوزانو ایک ہی نشست پر بیٹھے رہتے۔ ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ نے فرمایا کہ حضرت ہمیں آپ کی صحبت اور مواعظ سے تو فائدہ ہوا ہی لیکن سب سے زیادہ فائدہ شیخ کے سامنے آپ کی فنائیت سے ہوا کہ اگرچہ آپ اس وقت شیخِ عالَم ہیں لیکن اپنے شیخ کے سامنے آپ نے خود کو ایسا مٹایا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا وجود ہی نہیں ہے۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنے کے دو سال بعد مکہ مکرمہ سے حضرت ہردوئیؒ کا ایک خط موصول ہوا جو حضرت نے جمعہ کے دن قبیل مغرب بیت اللہ شریف کے سامنے تحریر فرمایا تھا اور جس میں حضرت والا کو خلافت و اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کا قیام

حضرت والا کا قیام بیس سال سے ناظم آباد میں تھا۔ حضرت کے شیخ ثانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہردوئی سے تحریر فرمایا کہ دل میں یوں آتا ہے کہ آپ اپنا مکان فروخت کر کے کسی دوسری جگہ زمین لیں اور وہاں

خانقاہ بنائیں، شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے حکم پر حضرت والا نے اپنا مکان فروخت کر دیا اور گلشن اقبال بلاک ۲ میں زمین خرید کر خانقاہ کے لئے وقف کر دی، اپنے پاس کچھ نہیں رکھا صرف ایک چھوٹی سی دکان کتب خانہ مظہری کے لیے رکھ لی جو حضرت کی ذاتی ملکیت تھی۔ اسی خانقاہ میں قرآن پاک کی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم فرمایا جس میں بچے قرآن پاک حفظ و ناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور کافی عرصے بعد مسجد اشرف تعمیر کی گئی۔ الحمدللہ آج یہ خانقاہ پورے عالم کا مرکز ہے جہاں متوسلین و طالبین خصوصاً بڑے بڑے اہل علم افریقہ، امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، برما، بنگلہ دیش، ہندوستان، افغانستان، ایران، کینیڈا، سعودی عرب، اور عرب امارات وغیرہ سے اور پاکستان کے مختلف علاقوں سے اصلاح و تزکیہ کے لیے حاضر ہوتے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ایک چھوٹے سے حجرہ میں حضرت والا کا قیام تھا اور اسی چھوٹے سے حجرے سے سارے عالم میں دین نشر ہو گیا۔ حضرت والا فرماتے تھے کہ آخری عمر میں حضرت شیخ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کا پاکستان ہجرت کرنا مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل تھا۔ اگر حضرت پھولپوری ہجرت نہ فرماتے اور ہندوستان میں انتقال فرماتے تو حاسدین وہاں مجھے دین کا کام نہ کرنے دیتے اور یہاں کراچی کے بین الاقوامی شہر میں قیام سے سارے عالم سے رابطہ ہو گیا اور دین کی اشاعت و تبلیغ آسان ہو گئی اور اصلاح اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام جو خانقاہ کی اصل روح ہے کراچی سے دنیا بھر میں پھیل گیا۔ الحمدللہ آج حضرت والا کی نسبت سے مختلف ممالک کے مختلف شہروں میں سو سے زائد خانقاہیں قائم ہیں جہاں سے دین کی اشاعت اور اصلاح و تزکیہ کا کام ہو رہا ہے۔

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلستانِ جوہر اور جامعہ اشرف المدارس کا قیام

حضرت ہردوئیؒ کی منشاء سے حضرت نے دوسری خانقاہ سندھ بلوچ سوسائٹی، گلستان جوہر میں قائم فرمائی، جس کے قیام کا واقعہ حضرت کی کرامت کا ظہور ہے۔

حضرت روزانہ بعد فجر صبح کی سیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے بتایا کہ سندھ بلوچ سوسائٹی بہت اچھی جگہ ہے بالکل سنسان ہے صرف ایک دو گھر بنے ہوئے ہیں۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے تو وہ جگہ بہت پسند آئی اور فرمایا کہ کاش یہاں ایک مسجد، خانقاہ اور مدرسہ قائم ہو جائے لیکن وہاں کی سب زمینیں فروخت ہو چکی تھیں۔ حضرت روزانہ صبح سیر کے لیے وہاں تشریف لے جاتے اور کھلے میدان میں دو نفل پڑھ کر دُعا فرماتے کہ یا اللہ! یہاں کی زمینیں دلوا دیجئے اور مدرسہ اور خانقاہ بنوا دیجئے، اس کے بعد روزانہ قبیل مغرب تشریف لے جاتے۔ بعد مغرب بہت دیر تک گریہ وزاری کے ساتھ دُعا فرماتے اور تاروں کی روشنی میں نہایت درد کے ساتھ مع احباب ذکر فرماتے۔ تین سال تک دُعا فرمائی تو سوسائٹی کے ذمہ داران مجوزہ مسجد کی جگہ فروخت کرنے پر تیار ہو گئے۔ حضرت کے متعلقین میں ایک صاحب خیر کو علم ہوا تو انہوں نے درخواست کی کہ یہ پوری مسجد میں بنواؤں گا آپ براہ کرم اجازت مرحمت فرمادیں اور وہاں شاندار وسیع وعریض مسجد اشرف تعمیر ہوئی جس وقت اس بستی میں صرف ایک دو گھر تھے وہاں مسجد پہلے بنی آبادی بعد میں ہوئی۔ مسجد کے سامنے ایک زمین تھی جہاں اب جامعہ اشرف المدارس قائم ہے وہ زمین بیس پلاٹوں پر مشتمل تھی اور فروخت ہو چکی تھی اور ان کے مالکان کا پتہ نہیں تھا کہ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ حضرت دُعا فرماتے یہاں تک کہ درمیان کا ایک پلاٹ مل گیا وہ حضرت نے خرید لیا پھر دوسرا پلاٹ دوسرے کونے پر، اس طرح جو پلاٹ ملا حضرت خریدتے رہے یہاں تک کہ دو سال میں سب پلاٹ حاصل ہو گئے جہاں آج جامعہ اشرف المدارس سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر میں قائم ہے جہاں مکمل درس نظامی اور تخصصات تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس کے بعد خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلستان جوہر کی زمین خریدنے کا منجانب اللہ انتظام ہوا اور زمین کے مالک جنہوں نے زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا ایک دن

خود آئے اور زمین بیچنے کی درخواست کی جو حضرت نے فوراً خرید لی۔ یہ حقیقت ہے کہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، جامعہ اشرف المدارس اور مسجد اشرف بارگاہِ حق میں حضرت کی آہ وزاری اور دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت کی تقریباً دوسو کے قریب تصنیفات ہیں، جن میں قرآن و حدیث، شریعت وطریقت اور تصوف وسلوک پر نہایت ضخیم کتب، سفر نامے، ملفوظات مجموعۂ اشعار اور مواعظ حسنہ ۱۰۹ شائع ہو چکے ہیں اور کئی سو کے مسودات تیار ہیں۔ یہ سب مواعظ اور چھوٹی اور بڑی کتب لاکھوں کی تعداد میں گذشتہ تیس سال سے مفت تقسیم کی جارہی ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت والا پر یہ حق تعالیٰ کا خاص فضل اور غیبی انتظام ہے ورنہ احقر نے ہندوستان پاکستان میں بڑے سے بڑے عالم کی چھوٹی کتابیں بھی اس طرح مفت تقسیم ہوتے ہوئے نہیں دیکھیں جب کہ یہاں بڑی بڑی کتابیں بھی پانی کی طرح بہادی گئیں اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچ گئیں اور الحمدللہ سارے عالم میں دین کی اشاعت ہوگئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ کتب کی طباعت پر حضرت دُعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ دنیا کی ہر زبان میں میری کتابوں کا ترجمہ ہوجائے اور مجھے جو دردِ دل اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے سارے عالم میں امت تک پہنچ جائے۔ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت کی کتابیں اور مواعظ حسنہ لاکھوں کی تعداد میں اردو، عربی، فارسی، انگریزی، جرمن فرانسیسی، چینی، ملیشیائی، لاطینی، پرتگالی، زولو، بنگالی، برمی، ہندی، گجراتی، سندھی، پشتو، بلوچی، بروہی، سرائیکی، پنجابی اور دیگر زبانوں میں شائع ہوچکی ہیں اور ابھی تک ہورہی ہیں اور ان کے ترجموں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ حضرت اپنی کتب کی طباعت میں دل کھول کر اپنا ذاتی مال لگاتے تھے۔ جو ہدایا آتے

تھے وہ سالہا سال سے خصوصاً جب سے حضرت علیل ہوئے نشر و اشاعت کے لیے وقف کردیئے اور اس سلسلہ میں ایک تحریر بھی لکھوادی تھی جو حضرت کے محبوب خادم و خلیفہ حافظ ضیاء الرحمن صاحب کے پاس موجود ہے۔ علالت کے دوران ایک بار اپنے مال سے چوبیس لاکھ روپے سعودیہ میں ان کتابوں کی طباعت کے لیے بھجوائے جو عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں اور آٹھ لاکھ روپے انگریزی کتابوں کے لیے عطا فرمائے۔ سعودی حکومت نے سرکاری طور پر حضرت کی تصانیف کی اشاعت و طباعت کی اجازت دی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنے ذاتی مال سے لاکھوں روپے اپنی کتب کی نشر و اشاعت میں لگاتے رہے اور مفت تقسیم فرماتے رہے۔

فہرستِ کتب

(۱) خزائن القرآن (۲) خزائن الحدیث (۳) رسول اللہ ﷺ کی نظر میں دنیا کی حقیقت (۴) خزائن شریعت و طریقت (۵) خزائن معرفت و محبت (۶) فیضانِ محبت (مجموعۂ اشعار) (۷) آئینۂ محبت (مجموعۂ اشعار) (۸) معرفت الٰہیہ (۹) کشکولِ معرفت (۱۰) معارف شمس تبریز (۱۱) معارفِ مثنوی (۱۲) درسِ مثنوی (۱۳) فغانِ رومی (۱۴) تربیت عاشقانِ خدا (تین جلدیں) (۱۵) روح کی بیماریاں اور ان کا علاج (۱۶) مجالسِ ابرار (۱۷) باتیں ان کی یاد رہیں گی (۱۸) صدائے غیب (۱۹) نوائے غیب (۲۰) ایک منٹ کا مدرسہ (۲۱) پردیس میں تذکرۂ وطن (۲۲) آفتابِ نسبت مع اللہ (۲۳) ارشاداتِ دردِ دل (۲۴) معارف ربانی (۲۵) مواہبِ ربانیہ (۲۶) براہین قاطعہ (۲۷) معیتِ الٰہیہ (۲۸) ملفوظات حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ (۲۹) مواعظِ دردِ محبت ۱۰؍ جلدیں (۳۰) حسن پرستی و عشقِ مجازی کی تباہ کاریاں اور ان کا علاج (۳۱) سفرنامہ لاہور (۳۲) سفرنامہ رنگون و ڈھاکہ (۳۳) سفرنامہ حرمین شریفین (۳۴) حقوقِ شیخ اور آداب (۳۵) اصلاح اخلاق (۳۶) بدنظری و عشقِ مجازی کی تباہ کاریاں (۳۷) تلقینِ صبرِ جمیل (۳۸) حرمین شریفین میں حاضری کے آداب (۳۹) تسہیل قواعد النحو (۴۰) قرآن وحدیث کے انمول خزانے

(۴۱)معمولات صبح وشام (۴۲) پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنتیں (۴۳)حسن خاتمہ کے سات مدلل نسخے (۴۴)قرآن پاک سے شراب کے حرام ہونے کا ثبوت (۴۵)ولی اللہ بنانے والے چار اعمال (۴۶)قومیت وصوبائیت اور زبان ورنگ کے تعصب کی اصلاح (۴۷)بدنظری کے چودہ نقصانات۔

فہرست مواعظِ حسنہ

(۵۷)تعلیم وتزکیہ کی اہمیت (۵۸)اصلی پیری مریدی کیا ہے؟ (۵۹)مقامِ اولیاءصدیقین (۶۰)علاماتِ مقبولین (۶۱)مقامِ اخلاص ومحبت (۶۲)ثبوت قیامت اور اُس کے دلائل (۶۳)حقوق الرجال (۶۴)نفس کے حملوں سے بچاؤ کے طریقے (۶۵)لذتِ قُرب خدا (۶۶)دین پر استقامت کا راز (۶۷)زندگی کے قیمتی لمحات (۶۸)تعلیم قرآن میں شانِ رحمت کی اہمیت (۶۹)عزیز و اقارب کے حقوق (۷۰)اہل اللہ کی شانِ استغناء (۷۱)دستکِ آہ وفغاں (۷۲)نگاہِ نبوت میں محبت کا مقام (۷۳)آدابِ عشقِ رسول ﷺ (۷۴)علم اور علماء کرام کی عظمت (۷۵)قربِ الٰہی کی منزلیں (۷۶)روحِ سلوک (۷۷)لازوال سلطنت (۷۸)محبتِ الٰہیہ کی عظمت (۷۹)بے پردگی کی تباہ کاریاں (۸۰)آدابِ محبت (۸۱)طریق الی اللہ (۸۲)اولیاءاللہ کی پہچان (۸۳)نسبت مع اللہ کے آثار (۸۴)قلبِ سلیم (۸۵)طریقِ محبت (۸۶)حقانیتِ اسلام (۸۷)عظمتِ صحابہؓ (۸۸)ایمان اور عملِ صالح کا ربط (۸۹)دلِ شکستہ کی قیمت (۹۰)نسبت مع اللہ کی شان و شوکت (۹۱)فیضانِ رحمتِ الٰہیہ (۹۲)صحبتِ شیخ کی اہمیت (۹۳)غمِ حسرت کی عظمت (۹۴)اہلِ محبت کی شان (۹۵)تعمیرِ کعبہ اور تعمیرِ قلب کا ربط (۹۶)طلوع آفتاب کی امید (۹۷)کیفِ روحانی کیسے حاصل ہو؟ (۹۸)طلباء و مدرسین سے خصوصی خطاب (۹۹)کرامتِ تقویٰ (۱۰۰)گناہوں سے بچنے کا راستہ (۱۰۱)مقامِ عاشقانِ حق (۱۰۲)راہِ محبت اور اس کے حقوق (۱۰۳)دارِ فانی میں بالطف زندگی (۱۰۴)غمِ تقویٰ اور انعامِ ولایت (۱۰۵)لذتِ اعترافِ قصور (۱۰۶)داستانِ اہل دل (۱۰۷)حقوق الوالدین (۱۰۸)اسلامی مملکت کی قدرو قیمت (۱۰۹)ہم جنس پرستی کی تباہ کاریاں اوران کا علاج۔

مواعظِ اختر: (۱)شادی بیاہ کی رسومات کی اصلاح (۲)قرآن پاک کی روشنی میں دینی خدام کے غموں کی تسلی (۳)حضور ﷺ کی عظیم القدر دُعا (۴)تمنائے بستیِ صالحین اور دینی شان وشوکت (۵)مجاہدہ اور تسہیلُ الطَّریق

علالت سے سفرِ آخرت تک

حضرت والا کے سانحۂ انتقال کا ذکر اپنے مضمون ''تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں'' میں کروں گا جو اسی رسالے میں شامل ہوگا، وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔ بس اتنا عرض کرنا ہے کہ ۱۳؍سال پہلے حضرت والا پر فالج کا اثر ۳۰ مئی ۲۰۰۰ء کو ہوا۔ حضرت والا کی طبیعت صبح سے ہی ناساز تھی اور مسجد کے سامنے چہل قدمی فرماتے ہوئے پاؤں میں لغزش سی معلوم ہوئی اس کے بعد حسبِ معمول اشراق کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے احقر نے دریافت کیا کہ کیا حضرت والا کی طبیعت ناساز ہے؟ خلاف معمول حضرت والا نے کوئی جواب نہیں دیا اور احقر کی طرف دیکھ کر اشراق کی نیت باندھ لی۔ اشراق کے بعد ہمیشہ حضرت والا حجرہ میں تشریف لاتے اور ناشتہ فرماتے۔ احقر جب حضرت والا سے ناشتہ کے لیے دریافت کرتا تو ہاں یا ناں میں جواب ارشاد فرماتے۔ اس دن جب احقر نے دریافت کیا تو خلاف معمول کوئی جواب نہیں دیا اور چادر اوڑھ کر استراحت کے لیے لیٹ گئے۔ ظہر کی نماز کے بعد تھوڑا سا کھانا تناول فرمایا اور قیلولہ کے لیے لیٹ گئے اس وقت تک فالج کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ عصر کے بعد حضرت والا کو چائے پیش کی تو ہاتھ سے پیالی نہ اٹھ سکی۔ فوراً ڈاکٹر ایوب صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت والا کو فالج ہو گیا ہے۔ رات تک طبیعت اور زیادہ ناساز ہوگئی اور جسم کا دایاں حصہ اور زبان بہت زیادہ متاثر ہوگئی یہاں تک کہ پندرہ دن تک حضرت والا کوئی بات نہ کر سکے اس کے بعد الحمدللہ زبان صاف ہوئی اور ملک بیرون ملک سے آنے والے سالکین کو اپنے ارشادات سے مستفیض فرمانے لگے۔ یوں تو تندرستی کے زمانے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہمہ وقت دین کی خدمت میں مشغول رہتے، تصنیف و تالیف، سالکین کے خطوط کے جوابات اور اصلاح کے لیے آنے والوں سے ملاقات اور اس میں اپنے آرام کی بھی فکر نہ فرماتے لیکن مجلس ہفتہ میں دو بار ہوتی تھی، ایک اتوار کی صبح کو اور

دوسری پیر کی شام کو لیکن اس معذوری اور بیماری کی حالت میں صبح سے رات تک روزانہ چار پانچ مجلسیں ہونے لگیں جن کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو ایسی ہمت اور قوتِ ارادی اور مقامِ تسلیم و رضا عطا فرمایا تھا کہ معذوری کی حالت میں جب کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ بغیر کسی خادم کے سہارے کے چل بھی نہیں سکتے تھے مختلف ممالک کے دینی اسفار فرمائے۔ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۸ء تک تین بار حرمین شریفین حاضر ہوئے اور تین عمرے ادا فرمائے ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۴ء میں جنوبی افریقہ کے دو سفر فرمائے۔ ۲۰۰۴ء ہی میں جنوبی افریقہ سے بوٹسوانا، زمبیا اور موزنبیق کا سفر فرمایا، بنگلہ دیش کے دو سفر اور برطانیہ کا ایک سفر فرمایا اور اندرونِ ملک کئی شہروں کا سفر فرمایا اور تمام مقامات پر اپنی مجالسِ ارشاد سے مستفیض فرماتے رہے۔ یہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تڑپ اور غیر معمولی قوت ارادی کا نتیجہ تھا ورنہ اس حالت میں سفر کرنا اور اپنے ارشادات سے مستفیض فرمانا جب کہ بولنے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو بہت تعب ہوتا تھا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں اور اکثر اپنا یہ شعر نہایت درد سے پڑھا کرتے ؎

دوستو سن لو تم کچھ مری داستاں
ایک دن پھر نہیں ہوں گے دنیا میں ہم

ایک سفر میں حضرت نے دُعا فرمائی تھی اور اکثر دُعا فرماتے تھے کہ میری موت پیر کے دن ہو، یہ جذبۂ عشق رسول تھا اور سنتِ غیر اختیاری کی درخواست تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کی مراد پوری فرمائی اور حضرت کا انتقال بھی پیر کے دن بعد مغرب ہوا۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمعہ کی موت تائبین کو نصیب ہوتی ہے اور پیر کی موت عاشقین کو نصیب ہوتی ہے۔

تکفین وتدفین

جیسا کہ تحریر کر چکا ہوں کہ حضرتؒ کی وفات کی خبر منٹوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اندرون ملک اور بیرون ممالک سے پندرہ منٹ کے اندر فون آنے لگے خانقاہ کا صحن اور مسجد کی تینوں چھتیں آدمیوں سے بھر گئیں۔ رات بھر یہ مجمع رہا کیونکہ قبر کی تیاری نو بجے سے پہلے ناممکن تھی۔ مشورے کے مطابق حضرت والا کے پوتے مولانا محمد اسحاق صاحب، حافظ ضیاء الرحمن صاحب، حضرت مفتی غلام محمد صاحب، حضرت مفتی محمد ارشاد اعظم صاحب اور حضرت مولانا جلیل احمد اخون صاحب نے سنت کے مطابق غسل دیا اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل، غسل اور تکفین سنت کے مطابق ہو۔ تقریباً رات کے ساڑھے دس بجے غسل اور کفن سے فراغت ہوئی اور حضرت والاؒ کا نورانی جسد خاکی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کے شیشہ والے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

پیر کو فجر سے پہلے ہی اور زیادہ لوگ آنا شروع ہو گئے۔ بعد فجر لاؤڈ اسپیکر سے بار بار اعلان کیا گیا کہ آپ لوگ سندھ بلوچ سوسائٹی تشریف لے جائیں، نماز جنازہ وہیں ہوگی لیکن حضرت والا کی محبت میں کوئی جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ۸ بجے میت گاڑی حضرت والا کا جسدِ مبارک کو لے کر سندھ بلوچ سوسائٹی روانہ ہوئی اور حضرت والا کے جسدِ مبارک کو خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سندھ بلوچ سوسائٹی گلستانِ جوہر میں حضرت والاؒ کے اسی کمرے میں رکھا گیا جہاں حضرت والاؒ قیام فرماتے تھے، جب سندھ بلوچ سوسائٹی تشریف لے جاتے تھے۔ سندھ بلوچ سوسائٹی کا وسیع میدان آدمیوں سے بھر گیا تھا، ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے، مسجد اشرف کی تینوں چھتیں صبح ہی سے بھر گئی تھیں۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم بار بار اعلان کراتے رہے کہ کسی قسم کی فوٹو گرافی کی ہرگز اجازت نہیں ہے چاہے ڈیجیٹل ہو یا کیمرہ ہو یا موبائل ہو، ہر قسم کی تصویر منع ہے، اگر کوئی تصویر کھینچتا ہوا پایا گیا تو

موبائل اور کیمرہ سب ضبط کرلیا جائے گا۔

لوگ شہر کے مختلف علاقوں سے جوق در جوق نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بسوں کی چھتوں پر کاروں میں موٹر سائیکلوں پر اور پیدل چلے آرہے تھے بہت سی جگہوں پر ٹریفک جام ہوگئی اور ہزاروں افراد نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکے۔ پہلوان گوٹھ سے لے کر جوہر چورنگی تک آدمیوں کا ہجوم تھا یہاں تک کہ اتنا رش بڑھ گیا کہ سندھ بلوچ سوسائٹی میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی اور جامعہ اشرف المدارس گلستان جوہر سوسائٹی کا دروازہ بند کردیا گیا۔

۹ بجے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم نے رقت کے ساتھ درد بھری آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، اتنا رش تھا کہ پہلوان گوٹھ سے لے کر جوہر چورنگی تک لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا کہ ٹریفک جام ہوگئی اور ہزاروں لوگ جو شہر کے مختلف علاقوں سے کاروں میں اور بسوں میں تشریف لارہے تھے نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوسکے۔ ایک عالم صاحب نے بتایا کہ کراچی کی تاریخ میں اتنا بڑا ہجوم صرف دو تین شخصیات کے جنازوں میں دیکھا گیا بلکہ یہ ہجوم ان سے بھی بڑا تھا۔ جنازہ کے بعد ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ وہ کندھا دے۔ سندھ بلوچ میں مسجد امداد کے ساتھ ہی حضرت والا کا ذاتی قبرستان ہے جو حضرت والا نے خود خریدا تھا۔ اس میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ کی طرف حضرت اقدس کی قبر تیار تھی۔ حضرت والا کے بڑے پوتے مولانا محمد ابراہیم صاحب سلمہ اور دوسرے پوتے مولانا محمد اسماعیل صاحب سلمہ اور تیسرے پوتے مولانا محمد اسحاق صاحب سلمہ قبر میں اترے اور اپنے پیارے نہایت شفیق اور محبت کرنے والے دادا کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا اور سنت کے مطابق حضرت والا کو دائیں ہاتھ کی طرف کروٹ دلا کر سینہ مبارک اور چہرہ قبلہ رو کردیا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے صبح تدفین مکمل ہوئی اور قبرستان کا دروازہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کے

لئے کھول دیا گیا اور لوگ جوق در جوق اشکبار آنکھوں سے ایصال ثواب کر کے رخصت ہو جاتے اور دوسرے حضرات آ جاتے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے دردِ محبت کی جو میراث اپنی تصانیف و تالیفات کی شکل میں چھوڑی ہے ان شاء اللہ قیامت تک امت اس کو پڑھ کر اشکبار ہو گی کہ آہ! ایسا تابندہ آفتابِ محبت آفاقِ عالم پر جلوہ گر تھا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں اس حقیقت کو خود بیان فرمایا ہے ؎

بہت روئیں گے کر کے یادِ اہلِ مے کدہ مجھ کو

شرابِ دردِ دل پی کر ہمارے جام و مینا سے

اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو ساعۃً فساعۃً بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے جو اللہ تعالیٰ نے دین کے بڑے بڑے کام لیے ہیں قیامت تک ان کے نشانات باقی رہیں اور وہ مٹ نہ سکیں۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا فیض صدقۂ جاریہ ہو اور قیامت تک جاری رہے۔ حضرت والاؒ ہم سب کو جس مقامِ قربِ الٰہیہ پر دیکھنا چاہتے تھے ہم سب کو وہ نصیب فرما دے، ہماری اصلاحِ کامل فرما دے اور حسن خاتمہ سے مشرف فرمائے آمین۔

......☆......☆......☆......☆......

......☆......☆......☆......

......☆......☆......

......☆......

تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں

تم سے بچھڑ کر زندہ ہیں
آہ! بہت شرمندہ ہیں

۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ ۲؍جون مطابق ۲۰۱۳ء کو بروز دوشنبہ ۷؍ بج کر ۴۳؍منٹ پر غروب آفتاب کے ساتھ ہی عشق ومحبتِ الٰہی کا آفتابِ عالمتاب بھی غروب ہو گیا اور اب شاید ہی کبھی ایسا کوئی آفتاب طلوع ہو۔ امت میں خال خال ہی ایسے اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں جن کی رگ رگ میں عشقِ الٰہی کی آگ بھری ہوئی تھی، جو ہمہ وقت عشقِ الٰہی میں غرق تھے، جیسے مولانا رومی، حضرت شمس الدین تبریزی، حضرت فرید الدین عطار وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ آنے والی تاریخ بتائے گی کہ مرشدی ومولائی محبی ومحبوبی مجددِ زمانہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ حکیم الملت حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی منفرد اور خال خال اولیاء اللہ میں سے ایک تھے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی تھی اس لیے حضرت نے ایک سفر میں دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! میری موت بھی پیر کے دن ہو، حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی بروز دوشنبہ بوقت غروب آفتاب ہوا تھا اور اس زمانے کے رومیِ ثانی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بھی پیر ہی کو ہوا۔

جب معارفِ مثنوی تقریباً چالیس برس پہلے شائع ہوئی تھی تو ایران کے ایک بڑے عالم نے خط میں لکھا تھا کہ ”ہر کہ مثنوی اختر را بخواند اورا مثنوی مولانا روم پندارد حقا کہ مولانا حکیم اختر صاحب رومی عصر اند“ یعنی جو بھی مثنویِ اختر کو پڑھتا ہے اس کو مثنوی مولانا روم سمجھتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مولانا حکیم اختر صاحب اس دور کے رومی ہیں۔

آہ! ۲۳؍رجب ۱۴۳۴ھ کو مغرب کے چند منٹ بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہم کو

یتیم کر کے اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف تنہا چلے گئے اور احقر کا ۴۶ برس کا شب و روز کا ساتھ چھوٹ گیا، احقر ایک لمحہ کے لیے بھی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا اور محسوس کرتا تھا کہ اگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوگئی تو میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ احقر ۱۹۶۹ء میں جب حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت سے اکثر یہ دعا کرتا تھا کہ اللہ دنیا میں بھی ہمیشہ حضرت کے ساتھ رکھے اور مرتے وقت بھی ساتھ رکھے اور جنت میں بھی ساتھ رکھے۔ ۲۰۰۰ء میں جب حضرت والا پر فالج کا حملہ ہوا تھا تو دل ہر وقت مضطرب رہتا تھا کہ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ آخر کار ؎

دل میں مدت سے تھی خلش جس کی
وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۳ء تک ۱۳ سال مسلسل پانچوں نماز کے بعد رو رو کر یہ دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو صحت و عافیت کے ساتھ ۱۲۰ سال کی عمر عطا فرمائیں اور جب حضرت کی وفات ہو تو میرا بھی اسی وقت ایمان کامل پہ خاتمہ ہوجائے اور دونوں جنازے ساتھ ساتھ اٹھیں لیکن آہ ؎

جو تم بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
نہ اس عہد کو ہم وفا کر سکے

بہر حال اللہ تعالیٰ کی مرضی پر دل و جان سے راضی ہوں، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہی ہمیں اپنی حیات سے تسلیم و رضا کا یہ سبق دے گئے۔

حضرت والا کی پوری زندگی صبر و تسلیم و رضا سے تعبیر ہے، جس کا لوگوں کو علم نہیں کہ اللہ کے راستہ میں حضرت والا کن مجاہدات اور تکالیف اور حاسدین کی ایذا رسانیوں سے گذرے ہیں، ان شاء اللہ اجمالاً ان کا تذکرہ کروں گا۔ ۱۳ برس سے حضرت والا صاحبِ فراش تھے لیکن تسلیم و رضا کا پیکر تھے، اگر حضرت والا کی اس حالت کو نہ دیکھا ہوتا تو معلوم ہی نہ ہوتا کہ تسلیم و رضا کسے کہتے ہیں۔ اس حالت میں بھی کبھی کسی

سے اپنی تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا، اگر کوئی مزاج پوچھتا تو فرماتے اللہ کا شکر ہے کہ سر سے پیر تک خیریت سے ہوں، الحمدللہ کوئی تکلیف نہیں اور بیماری کی اس حالت میں بھی لوگوں سے مزاح فرماتے، ہنستے رہتے اور ہنساتے رہتے اور اپنا مقامِ تسلیم و رضا اس شعر میں ظاہر فرما گئے ؎

کیفِ تسلیم و رضا سے ہے بہارِ بے خزاں
صدمہ و غم میں بھی اختر روح رنجیدہ نہیں

۲۲؍رجب ۱۴۳۴؁ھ کی صبح کو مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج حضرت والا کی رحلت ہونے والی ہے، اگرچہ حالت نازک تھی لیکن ایسے آثار نہیں تھے کہ اتنی جلدی داغ جدائی لگنے والا ہے۔ صبح گیارہ بجے کاشف خلیل میاں سلمہ نے آکر مجھے بتایا کہ حضرت والا بیدار ہیں، احقر فوراً حاضر خدمت ہوا اور بستر کے قریب ہو کر حضرت والا کے چہرۂ مبارک کے سامنے سلام عرض کیا، حضرت والا نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ آہ! حضرت کی مسکراہٹ ہمیشہ ایسی حسین تھی کہ دنیا میں ایسی حسین مسکراہٹ کسی کی نہیں دیکھی۔ احقر نے حضرت سے بات جاری رکھنے کے لیے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھوک لگ رہی ہے۔ حضرت والا نے آنکھیں بند کرلیں۔ جس وقت حضرت والا نے احقر کو دیکھا تو آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسی جوانی میں تھی اور بیماری کا کوئی اثر نہیں تھا، اس کے بعد احقر حضرت کے قریب وہیل چیئر پر بیٹھ گیا، تقریباً پون گھنٹہ بعد حضرت والا کے ہاتھ میں حرکت ہوئی جس سے پتا چلا کہ حضرت بیدار ہیں، احقر نے پھر حضرت کے چہرۂ مبارک کے قریب ہو کر عرض کیا کہ حضرت والا! حضرت والا نے پھر آنکھیں کھول کر دیکھا، آنکھوں میں ویسی ہی چمک تھی، احقر نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو ۱۳۰؍سال کی حیات صحت و عافیت کے ساتھ عطا فرمائے اور نہ معلوم میرے منہ سے یہ الفاظ کیوں نکلے جب کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آج حضرت سے جدائی ہونے والی ہے کہ حضرت والا! آپ نے فرمایا تھا

کہ دونوں ساتھ ساتھ چلیں گے تو حضرت اپنا وعدہ نہ بھولئے گا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے پھر اپنی مبارک آنکھیں بند کرلیں اور یہ آخری نظر تھی جو احقر پر پڑی۔

شام کو بعد نماز عصر سوا چھ بجے جب احقر کا ڈائی لیسس ہورہا تھا کہ اچانک کاشف میاں سلمہ آئے اور کہا کہ جلدی آجائیں، حضرت کی حالت بہت نازک ہے، دل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ایسا محسوس ہوا کہ مجھ پر دل کا دورہ پڑ جائے گا۔ ڈائی لیسس فوراً بند کرا کے احقر خانقاہ میں حاضر ہوا جہاں حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم اور حضرت کے پوتے مولانا ابراہیم صاحب، مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا اسحاق صاحب حضرت والا کو تھیلی سے آکسیجن دے رہے تھے، حضرت کے چہرۂ مبارک پر ایسا سکون اور طمانینت تھی کہ جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی اور چہرہ اور پیشانی مبارک پرنور بڑھتا جارہا تھا جیسے چودھویں کا چاند روشن ہو، اتنے میں مغرب کی اذان ہوگئی، مولانا ابراہیم صاحب نے روتے ہوئے مسجد میں نماز پڑھائی۔ مغرب کے فرض پڑھ کر احقر خانقاہ حاضر ہوا اور دوسنت ادا کی۔ حضرت والا کی آکسیجن اور نیچے گرگئی اور چند سیکنڈ میں محبوب مرشد مجددِ زمانہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے جان جان آفرین کے سپرد کردی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

وفات سے پانچ چھ دن پہلے نہایت بشاشت کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور ہاتھ سے مصافحہ فرمایا اور فرمایا کہ ''چلو'' عرض کیا کہ کہاں چلیں تو مسکرا کر خاموش ہوگئے۔ وفات سے پانچ دن قبل اپنے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم سے فرمایا کہ آج کیا دن ہے؟ حضرت مولانا نے جواب دیا کہ آج بدھ ہے تو حضرت والا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ دو دن بعد پھر پوچھا کہ آج کیا دن ہے؟ حضرت مولانا مظہر صاحب نے عرض کیا کہ آج جمعہ ہے تو پھر نفی میں سر ہلا دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا پیر کے دن کا انتظار فرمارہے ہوں، جس میں انتقال کی دُعا حضرت نے چند سال پہلے

فرمائی تھی۔حضرت والا کی طبیعت صبح ہی سے تشویشناک تھی۔حضرت کے معالجِ خاص ڈاکٹر امان اللہ صاحب جنہوں نے تیرہ سال دل وجان سے حضرت کا علاج اور خدمت کی یہاں تک کہ اکثر اوقات اپنا کھانا پینا بھی بھول جاتے، وہ اورڈاکٹر ایوب صاحب بےبس تھےاوراشکبار تھے آخر کاروقتِ آخرآ پہنچا سات بج کر بیالیس منٹ پرجبکہ پیر کو داخل ہوئے بائیس منٹ ہو چکے تھے۔حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کی مُرادکو پورافرمادیا۔

انچہ او خواہد خدا خواہدچنیں
می دہد یزداں مرادِ متقیں

جو اللہ والے چاہتے ہیں اللہ بھی وہی چاہتا ہے اور اللہ اپنے متقین بندوں کی مُرادکو پوری فرماتا ہے۔

احقر جو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کے ساتھ ہی میرا بھی دم نکل جائے گا اور ۱۳ سال سے مسلسل غم میں مبتلا تھا اور حضرت کی جدائی کے خوف سے روتا رہتا تھا لیکن اس وقت نہ جانے اچانک قلب کو کیا ہوا جیسے اچانک دل پر سکینہ نازل ہو گیا، جیسے دل کو کسی نے تھام لیا میرے آنسو بہہ رہے تھے، خانقاہ کے اندر لوگ ایک دوسرے سے لپٹ کر سسکیوں سے رو رہے تھے لیکن میں دل پر غم کا پہاڑ لئے ہوئے دوسروں کو تسلی دے رہا تھا کہ صبر کریں یہ صبر کا مقام ہے۔حضرت کی وفات کی خبر شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی چند منٹوں میں غیر مما لک سے فون آنے لگے، خانقاہ میں لوگوں کا پہلے ہی بڑا ہجوم تھا تھوڑی دیر میں خانقاہ کے صحن اور مسجد کی تینوں چھتوں پر تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ سنت کے مطابق مجھے جلد از جلد دفن کیا جائے ، لیکن معلوم ہوا کہ صبح نو بجے سے پہلے قبر تیار نہیں ہوسکتی ، حضرت نے منہ دکھائی کی رسم سے منع فرمایا تھا کیونکہ اس سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے، لیکن چونکہ

حضرت والاؒ کی طرف سے اپنے خانوادہ کے لیے مختص کردہ قبرستان کی زمین نہایت پتھریلی اور سخت تھی جس کی وجہ سے قبر کی تیاری میں مشکلات کے باعث صبح نو بجے سے پہلے تدفین ناممکن تھی، اس لئے حضرت مفتی محمد نعیم صاحب رئیس دار الافتاء جامعہ اشرف المدارس اور حضرت مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب دار العلوم کورنگی سے رجوع کیا گیا دونوں مفتیان کرام نے فرمایا کہ اب حضرت کے چہرۂ مبارک کی زیارت کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ حضرت کا چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن معلوم ہو رہا تھا۔ حضرت کے قدیم دوست جناب نثار احمد فتحی صاحب نے فرمایا کہ میں نے دفن سے پہلے بہت سے اکابر کے چہرۂ مبارک دیکھے ہیں مگر جیسا نور حضرت کے چہرہ پر تھا ایسا نور کسی کے چہرہ پر نہیں دیکھا۔ جب فجر کے قریب سب لوگ زیارت کر کے جا چکے اور چہرۂ مبارک کفن سے ڈھانپ دیا گیا تو احقر نے سوچا کہ آخری بار اور اپنے پیارے شیخ کی زیارت کرلوں۔ کفن اُٹھا کر دیکھا تو واللہ کہتا ہوں کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن اور پہلے سے زیادہ بقعۂ نور تھا اور گردن اور دوش مبارک کا کچھ حصہ نظر آیا وہ بھی نور میں ڈوبا ہوا تھا۔

عین جس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ڈیوزبری (انگلینڈ) میں ایک بہت اللہ والی بوڑھی خاتون جو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں، وہ ظہر کے بعد قیلولہ کر رہی تھیں اور پاکستان کے مطابق وہی وقت تھا، جب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ریاض الجنہ سے حضرتؒ کا ہاتھ پکڑ کر جنت البقیع کی طرف لے جا رہے ہیں۔ احقر کا گمان اقرب الی الیقین ہے کہ حضرت والاؒ کا جسدِ مبارک جنت البقیع میں منتقل کر دیا گیا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت والا سے اکثر سنا کہ حضرت کے شیخ اوّل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اولیاء اللہ کی موت کسی اور ملک میں واقع ہوتی ہے لیکن ان کا جسم جنت البقیع میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔

اب ہر وقت نگاہوں کے سامنے ماضی میں حضرت والا کی خدمت میں گذرے ہوئے ایام کی جھلکیاں آتی ہیں اور دل کو تڑپاتی ہیں۔ حضرت والا کی شفقتیں، حضرت والا کے الطاف و کرم جب یاد آتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے، حضرت والا نے ایسی محبت فرمائی کہ واللہ! احقر ماں باپ کی محبت کو بھول گیا۔ ماں باپ سے بھی زیادہ حضرت نے شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا۔ حضرت سراپا محبت تھے اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مجھے سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ناظم آباد میں تقریباً ۴۵ سال پہلے حضرت مولانا مظہر صاحب (جو اس وقت طالب علم تھے) سے فرمایا کہ آپ کو ایک پلا پلایا بھائی مل گیا۔ احقر تو حضرت والا کا غلام تھا، ایک غلام کو اپنے گھر کا فرد فرما کر عزت بخشی۔ حضرت والا کا شعر ہے جو حضرت نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری کی وفات پر کہا تھا وہ اب احقر کا حال ہے ؂

لطف تو چوں یاد می آید مرا
بوئے تو جانم بجوید در سرا

جب آپ کی محبت اور الطاف و کرم مجھے یاد آتے ہیں تو میری جان دیوانہ وار آپ کی خوشبو کو اس جہان میں تلاش کرتی ہے، اب جان عشرت بھی آپ کو تلاش کرتی ہے مگر آپ کو نہیں پاتی اور تڑپ کر رہ جاتی ہے۔ آہ کبھی وہ دن تھے کہ ؂

جنت کی مے پیئے ہوئے ساقی تھا مستِ جام
ساغر تھا دورِ مے تھا مقابل میں ہم بھی تھے

اک زلف پر شکن نے کیا تھا ہمیں اسیر
آزاد ہو کے دامِ سلاسل میں ہم بھی تھے

خوابوں کی سرزمیں تری محفل میں ہم بھی تھے
جو دل کہ جانِ بزم تھا اس دل میں ہم بھی تھے

دیکھا کسی نے کل ترا میرِ شکستہ حال
رو رو کے کہہ رہا تھا کہ اس دل میں ہم بھی تھے

(میر عفا اللہ عنہ)

جو یاد آتی ہے وہ زلفِ پریشاں
تو پیچ و تاب کھاتی ہے مری جاں
کوئی پوچھے گا گر یہ مجھ سے آکر
کہ کیا گذری ہے اے دیوانے تجھ پر
نہ ہرگز حال دل اپنا کہوں گا
ہنسوں گا اور ہنس کر چپ رہوں گا

آہ! کبھی احقر سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لمحہ کی جدائی برداشت نہیں ہوتی تھی اور ذراسی دیر کی جدائی میں احقر کا یہ حال ہوجاتا تھا۔

سامنے تم ہو تو دنیا ہے مجھے خلدِ بریں
اور قیامت کا سماں تم سے بچھڑ جانے میں ہے

پاس اگر تم ہو تو ہے آباد ویرانہ مرا
ورنہ آبادی بھی شامل میرے ویرانے میں ہے
(میر عفا اللہ عنہ)

یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت سے نہ جانے کتنے عرصے کے لئے بچھڑ جاؤں گا لیکن یہ عارضی وقفہ ہے اللہ تعالیٰ جنت میں حضرت سے دائمی ملاقات نصیب فرمائیں جہاں پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی، آمین۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے ارشاد کو جس کو احقر حضرت والا کی دعا سمجھتا ہے اور جس کو یاد کر کے دل کو بہت تسلی ہوتی ہے احقر کے حق میں قبول فرمائیں۔ تقریباً تین برس پہلے حافظ عدنان صاحب خلیفہ مجاز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے دو بجے جب کہ حضرت والا بیدار تھے، حضرت کو یہ خواب سنایا کہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت والا حاضر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت پیار سے حضرت والا کو دیکھ رہے ہیں۔ خواب سنانے کے بعد سب حاضرین نے دعا کرائی کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ جنت میں ہم سب کو آپ کا ساتھ نصیب ہو۔ حضرت والا

نے سب کے لئے دعا فرمائی۔ احقر اس وقت موجود نہ تھا، احقر کو معلوم ہوا تو فوراً حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت دعا فرما دیجئے کہ مجھے بھی جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہو۔ اس وقت حضرتؒ نے احقر کو ایک عظیم بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کی اس بشارت کو احقر کے حق میں قبول فرمائیں، حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آتا ہے:

لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ

(صحیحُ البخاری)

تو یہ قسم تاکیداً ہے، اگر یہ حضرات کسی بات کو فرما بھی دیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کر دیتے ہیں، آمین۔

اب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے وہ حالات اور مجاہدات مختصراً لکھتا ہوں، جن کا امت کو علم نہیں، تفصیل سے لکھنے کی ان اوراق میں گنجائش نہیں، ان شاء اللہ حضرت کی سوانح میں مفصل حالات زندگی تحریر کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بہ حسن وخوبی صحیح حالات تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے اور امت مسلمہ کے لئے نافع فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے محبوب مرشد مادر زاد ولی تھے۔ حضرت نے مجھے خود سنایا کہ جب میں گود میں تھا تو میری بڑی ہمشیرہ جو اس وقت بچی تھیں، مجھے گود میں لے کر مسجد میں امام صاحب سے دم کرانے گئیں تو مسجد کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا کہ یہ میرے اللہ کا گھر ہے اور انہوں نے مجھے زمین پر بٹھا دیا تو مجھے یاد ہے کہ میں نے مسجد کی زمین کو بوسہ دیا اور جب امام صاحب دم کرنے کے لئے تشریف لائے تو ان کی ڈاڑھی اور لمبا کرتہ اور گول ٹوپی دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی، بعد میں جب ذرا بڑا ہوا تو معلوم ہوا کہ مسجد کے امام حافظ ابو البرکات صاحب تھے جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بیعت تھے۔ حضرت کو بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی طرف

خاص جذب محسوس ہوتا تھا اور دنیا سے دل اچاٹ رہتا تھا اور نیک بندوں سے محبت اور ان کی وضع قطع اچھی لگتی تھی۔ حضرت ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ گھر سے دور جنگل کی مسجد میں جا کر عبادت کرتے تھے اور قصبہ کے باہر ایک اور مسجد تھی، جس کے قریب چند گھر آباد تھے لیکن کوئی مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتا تھا، حضرت نے انہیں نماز کی دعوت دی اور وہ لوگ نمازی بن گئے اور مسجد میں اذان و جماعت ہونے لگی اور لوگ حضرت کو محبت سے مسجد کے نمازیوں کا پیر کہنے لگے اور حضرت کے ان حالات کو دیکھ کر حضرت کے والد صاحب کے دوست حضرت کو فقیر اور درویش کہنے لگے اور والد صاحب بجائے نام لینے کے حضرت کو مولوی صاحب کہتے تھے۔ اسی دورِ نابالغی میں حضرت نصف شب کے بعد جنگل کی مسجد میں نکل جاتے اور وہاں تہجد پڑھتے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ پریشان ہوتیں اور منع کرتیں کہ بیٹا! اتنی رات کو اکیلے مت جایا کرو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں فجر سے چند گھنٹے پہلے مسجد سے نکلتا۔ ایک رات جب میں مسجد سے نکلا تو دیکھا کہ میرے والد صاحب مسجد سے باہر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ بیٹا! تم میرے اکلوتے بیٹے ہو، میں سرکاری ملازم ہوں، میرے دس دوست، دس دشمن ہیں، تم رات کو گھر پر ہی تہجد پڑھ لیا کرو، حضرت فرماتے ہیں کہ اس کے بعد والد صاحب کی مرضی کے مطابق میں گھر پر تہجد پڑھنے لگا۔ والد صاحب کو بھی حضرت دین کی دعوت دیتے، انہوں نے ایک مٹھی ڈاڑھی رکھ لی اور حضرت نے فرمایا کہ میں نے تہجد میں والد صاحب کے سجدے میں رونے کی آواز بارہا سنی ہے۔

اسی دورِ نابالغی ہی میں حضرت کو مثنوی مولانا روم سے بہت شغف ہو گیا اور مثنوی سمجھنے کے لئے فارسی پڑھنا شروع کر دی اور حضرت مثنوی کے اشعار پڑھ پڑھ کر رویا کرتے تھے۔ دل خدائے تعالیٰ کے لئے بے چین رہتا۔ حضرت کے استاد جو حضرت کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے ان کی آواز بہت اچھی تھی، حضرت قرآن

پاک پڑھنے کے بعد ان سے درخواست کرتے کہ حضرت مثنوی شریف کے کچھ اشعار سنا دیجئے، ان کی دردناک آواز میں مثنوی سن کر دل اللہ کی محبت میں تڑپ جاتا۔

حضرت بچپن ہی سے والد صاحب سے درخواست کرتے کہ مجھے دیوبند بھیج دیجئے۔ جب حضرت ۱۴ سال کے ہوئے تو والد صاحب سے پھر دیوبند جانے کی درخواست کی لیکن والد صاحب نے طبیہ کالج الہ آباد میں داخل کر دیا، الہ آباد میں حضرت کی ملاقات حضرت مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی جو نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے، حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور سراپا عشق و محبت تھے۔ حضرت فرماتے تھے کہ طبیہ کالج سے فارغ ہو کر جب کہ میرے ساتھی دریائے جمنا میں نہاتی ہوئی عورتوں کو دیکھنے جاتے اور میں سیدھا حضرت مولانا محمد احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا اور رات کے گیارہ بجے تک حضرت مولانا کی خدمت میں رہتا، حضرت بھی مجھ پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب شاعر بھی تھے ان کی اشعار کی مجلس ہوتی تھی اور حضرت خود بہت دردناک آواز میں اپنے عارفانہ اشعار پڑھتے تو دل تڑپ جاتا۔ تین سال تک جب تک حضرت طبیہ کالج، میں رہے روزانہ کا یہ معمول تھا کہ پانچ بجے شام شاہ محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رات گیارہ بجے تک رہتے۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت والا کو بے انتہا محبت تھی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو بھی حضرت سے انتہائی محبت تھی۔ ایک بار الہ آباد سے حضرت کو خط میں لکھا کہ جیسی محبت آپ کو مجھ سے ہے ایسی کسی کو مجھ سے نہیں ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ میرے مرشد اول تو دراصل مولانا شاہ محمد احمد صاحب ہیں۔

بچپن ہی سے حضرت کو مرشد کی تلاش تھی۔ الہ آباد آنے سے پہلے جب حضرت مڈل میں پڑھتے تھے، اس وقت حضرت کی عمر ۱۲/سال تھی تو حضرت مسجد کے امام حافظ ابوالبرکات صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ جو چھوٹی عمر میں

حضرت پر دم کیا کرتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ حافظ صاحب کو مجھ میں نہ جانے کیا نظر آیا جو انہوں نے فرمایا کہ حضرت حکیم الامت نے مجھے مجازِ بیعت للعوام بنایا ہے اور آپ عوام میں سے نہیں ہیں، کوئی بڑا شیخ آپ کی تربیت کرے گا۔ اس سے قبل جب حضرت درجہ ہفتم میں پڑھتے تھے تو حضرت حکیم الامت کا وعظ راحت القلوب پڑھ کر حضرت حکیم الامت سے بہت زیادہ عقیدت و محبت ہوگئی اور بیعت ہونے کے لئے حضرت حکیم الامت کو عریضہ لکھا تو وہاں سے جواب آیا کہ حضرت علیل ہیں۔ حضرت کے خلفاء میں کسی سے رجوع کریں۔ چند دن بعد ہی حضرت حکیم الامت تھانوی کا انتقال ہوگیا تو حضرت کو سخت صدمہ ہوا اور گریہ وزاری کے ساتھ تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا۔

حضرت والا نے ایک بار احقر کی اصلاح اور قلب کی تسلی کیلئے فرمایا کہ میں جب پندرہ سال کا ہوا تو میرے دل میں خواہشات کا ایک سمندر تھا اور میرا مزاج عاشقانہ تھا، اس وقت میں نے سوچا کہ اگر میں نے کسی شیخِ کامل کا دامن نہیں پکڑا تو میں ان خواہشات میں بہہ جاؤں گا تو میں نے فوراً حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے تعلق قائم کیا اور فرمایا کہ اس عاشقانہ مزاج کے باوجود مجھ سے زندگی میں کبھی ایک بار بھی لغزش نہیں ہوئی۔ احقر نے ایک بار جنوبی افریقہ میں جب حضرت کے یہ حالات سنائے تو وہاں کے اکابر علماء خصوصاً حضرت مولانا یونس پٹیل صاحبؒ (صدر مجلس علماء جنوبی افریقہ و خلیفہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ) تڑپ گئے اور فرمایا کہ کاش! حضرت کے یہ حالات شائع ہو جائیں تو امت زیادہ استفادہ کر سکے گی لیکن افسوس حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ شائع نہ ہو سکے۔

طبیہ کالج الٰہ آباد میں حضرت کے ایک دوست نے حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عشق و مستی اور محبت الٰہی میں حضرت کی سرشاری و کیف و وارفتگی کے چشم دید واقعات سنائے تو حضرت نے حضرت پھولپوری سے اصلاحی مکاتبت شروع کی اور حضرت کو اپنا مرشد بنالیا۔

اپنے شیخ کی زیارت کے لیے حضرت کا دل بے چین رہتا۔ والد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا حضرت نے اپنی والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ بہت عیدیں گذاری ہیں ایک عید شیخ کے ساتھ گذارنے کی اجازت دے دیجئے اور حضرت عین بقرعید کے دن نماز عید الاضحیٰ سے قبل شیخ کی خدمت میں پہنچے اس وقت حضرت کی عمر ۱۸ر سال تھی پہلی ہی ملاقات میں ایک چلہ شیخ کی صحبت میں گذارا۔

اس کے بعد مستقل حضرت اپنے شیخ کی خدمت میں رہ پڑے، سولہ سال دن رات کی صحبت کا شرف حاصل رہا اور شیخ کی اس جاں نثاری وفدا کاری سے خدمت کی، جس کی مثال نہیں ملتی۔ شیخ پھولپوری کی خدمت و محبت کے بہت مختصر سے واقعات حضرت نے درسِ مثنوی روم میں تحریر فرمائے ہیں جو یہاں نقل کرتا ہوں۔ علماء کے محضر میں مثنوی کا درس دیتے ہوئے حضرت نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عجیب وغریب علوم عطا فرمارہے ہیں اور یہ آپ حضرات ہی کی برکات ہیں، اس مہینے کی برکات ہیں اور میرے ان بزرگوں کی برکات ہیں جن کے ساتھ ایک عمر اختر نے بسر کی اور ایسی بسر کی کہ جنگل میں دس سال تک فجر سے لے کر ایک بجے تک ناشتہ نہیں کیا کیونکہ میرے شیخ بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے تو میں کیسے کرتا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ شیخ تو ناشتہ نہ کریں اور گھر سے میرے لئے ناشتہ آئے۔ میرا ناشتہ اشراق و چاشت اور ذکر و تلاوت سے ہوتا تھا۔ دوپہر ایک بجے تک ایک دانہ اُڑ کر پیٹ میں نہ جاتا تھا۔ خوب کڑاکے کی بھوک لگتی تھی لیکن کیا بتاؤں کہ شیخ کی صحبت میں کیا لُطف آتا تھا کہ آج تک وہ مزہ دل میں محسوس ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ کیا کہیں عجیب وغریب معاملہ تھا، وہاں نہ بیت الخلاء تھا، نہ غسل خانہ اور جنگل میں استنجا کے لیے جانا اور تقریباً ایک میل سے شیخ کے لیے پانی لانا کیونکہ حضرت کنویں سے وضو نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہندو یہاں پانی بھرتے ہیں اور کنویں میں اپنا ڈول ڈالتے ہیں اگرچہ اس سے وضو کرنا جائز ہے لیکن میرا دل نہیں

چاہتا لہٰذا گرمیوں کی دھوپ میں روزانہ ایک میل دور ندی سے حضرت کے لیے پانی لاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ ؎

آہ جائے گی نہ میری رائیگاں
تجھ سے ہے فریاد اے رب جہاں

اللہ والوں کی خدمت اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا۔ اپنے پیاروں کی خدمت اوران کی محبت خدائے تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم جو اَب میرے مُرشد ہیں، جدہ میں مجھ سے فرمایا کہ سارے عالم میں جو تم کو پوچھا جارہا ہے اور تم سے جو دین کا کام لیا جارہا ہے یہ سب حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا صدقہ ہے اور اپنے سگے بھائی اسرار الحق صاحب سے جو حیدرآباد سندھ میں رہتے تھے، فرمایا کہ میں نے جو کتابوں میں پڑھا تھا کہ لوگ اپنے شیخ پر پہلے زمانے میں کس طرح فدا ہوتے تھے اور کتنی مشقت اور محبت سے ان کی خدمات میں سرگرم رہتے تھے، وہ کتابوں میں تو پڑھا تھا میں نے روئے زمین پر نہیں دیکھا تھا، مگر اختر کی زندگی میں وہ کتابوں کا پڑھا ہوا مجھے نظر آ گیا۔ یہ ان کے بھائی نے مجھے بتایا کہ مولانا ابرار الحق صاحب یوں فرما رہے تھے۔ اس کی مجھے اتنی خوشی ہے کہ اگر سلطنت ہفت اقلیم دے دوں تو حق ادا نہیں ہوسکتا۔

ایک دفعہ میں گیارہ بجے رات کو پھولپور آیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت اور حضرت ہردوئی اعظم گڑھ چلے گئے جو وہاں سے تیس چالیس میل ہے۔ میں وہاں سویا نہیں اگرچہ سونے کی جگہ تھی۔ سیدھا اسٹیشن آ گیا اور پلیٹ فارم پر جاگتا رہا۔ دو تین بجے کے قریب دوسری ریل جب آئی تو اس سے میں تہجد کے وقت اعظم گڑھ پہنچ گیا۔ حضرت سو رہے تھے۔ میرے شیخ کا معمول تھا کہ تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اللہ، اللہ اللہ کرتے۔ آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ کے بعد آنکھ کُھل جاتی تھی۔ ایسی نیند نہیں تھی کہ جس میں تسلسل ہو۔ ہر آدھا گھنٹہ بعد جب آنکھ کُھل گئی تو اللہ اللہ کہہ کے پھر سو جاتے تھے گویا اللہ اللہ

حضرت کی غذا تھی، حضرت کی حیات کی بُنیاد تھی۔ پس حضرت نے جیسے ہی اللہ اللہ کیا میں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور حیرت سے فرمایا کہ ارے تم کیسے آ گئے اس وقت؟ ابھی تو رات ہے صبح صادق بھی نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی تلاش میں پھولپور گیا تھا جب وہاں آپ کو نہ پایا تو میری نیند اُڑ گئی اور میں دوسری ریل سے یہاں پہنچا۔ پھر میں نے یہ شعر پڑھا ؎

صبا بہ لطف بگو آں غزالِ رعنا را

کہ سر بہ کوہ وبیاباں تو دادئی مارا

اے صبا! اس ہرن سے جو چوکڑی مار کر بھاگ رہا ہے، اس کے کان میں یہ کہہ دے کہ میرا سر تو نے پہاڑوں کے دامنوں میں اور جنگل میں ٹکرا دیا اور تو مجھے دستیاب نہ ہوا۔ بس یہ سُن کر حضرت پر کیفیت طاری ہو گئی اور مولانا ابرارالحق صاحب کے کان میں کچھ فرمایا۔ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب نے بعد فجر مجھ سے فرمایا کہ اب تم حضرت سے دور نہ رہو، تم حضرت کے پاس ہی رہا کرو اور حضرت کی باتیں نوٹ کرتے رہو۔ تمہارا خرچہ پانی بال بچوں کا میں ہردوئی سے بھیجوں گا۔ ارے! میری خوشی کی تو کوئی انتہاء نہ رہی جب حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا اندھا آنکھ مانگے گا اور بھوکا روٹی۔ حضرت کئی برس تک مجھے ہردوئی سے ساٹھ روپے ماہانہ بھیجتے تھے۔ میرے شیخ کی کرامت تھی کہ سارا کام چلتا تھا۔ مولانا مظہر کی والدہ زمیندار تھیں، غلہ گھر کا تھا لیکن پھر بھی چائے کی پتی، دودھ چینی وغیرہ کے لئے ساٹھ روپے اُس زمانے میں بہت ہوتے تھے۔ اس وقت سے ہی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب کا احقر پر خاص کرم تھا۔ اُس وقت حضرت میرے شیخ بھی نہیں تھے اور اُن کا میرے شیخ سے اصلاحی تعلق تھا۔ ہمارے ساتھ وہ اس طرح رہتے تھے گویا پیر بھائی اور ہم دونوں حضرت سے لاٹھی بھی سیکھتے تھے۔ حضرت لاٹھی چلاتے تھے

اور ہم روکتے تھے، کبھی ہم چلاتے تو حضرت ہماری لاٹھی کے وار روکتے تھے اور حضرت سکھاتے رہتے تھے کہ اس طرح روکنا چاہیے اور اس طرح وار کرنا چاہیے''۔(انتہیٰ کلامہ)

اب ان مجاہدات کو مختصراً لکھتا ہوں تا کہ امت کو سبق ملے کہ اللہ کا راستہ کس صبر و ہمت و استقلال سے طے ہوتا ہے۔ شیخ پھولپوریؒ کے ساتھ والہانہ محبت کے باعث حضرت اپنے شیخ کی نظر میں محبوب ہوگئے حضرت پر حضرت پھولپوری کی خاص نظر تھی، حضرت کے بعض خاص احباب نے بتایا کہ حضرت تھوڑی دیر کے لیے بھی کسی ضرورت سے کہیں چلے جاتے تو حضرت پھولپوری کی ایسی کیفیت ہوجاتی تھی جیسے ماں اپنے بچے کے لئے بے تاب ہوجاتی ہے اور بے قراری سے پوچھتے کہ حکیم اختر کہاں ہیں اور حضرت کے بارے میں شیخ پھولپوریؒ نے فرمایا تھا کہ یہ میرے ساتھ ایسے چپکے رہتے ہیں جیسے چھوٹا دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کے ساتھ چپکا رہتا ہے۔ خود حضرت فرماتے تھے کہ حضرت پھولپوریؒ کی زبان مبارک سے جو بات بھی نکلتی تھی، میں دل و جان اور کان حضرت کے ارشادات کی طرف لگا دیتا کہ کوئی مضمون اور کوئی لفظ چھوٹ نہ جائے۔ حضرت سے احقر نے کئی بار خود سنا اور ترجمۃ المصنف میں بھی حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ ''احقر حضرت مرشد کے ارشاد کو قلمبند کر کے جب سناتا تو ارشاد فرماتے ماشاء اللہ اور بہت مسرور ہوتے، ایک بار میرے ایک پیر بھائی سے فرمایا کہ اختر میرے غامض اور دقیق مضامین کو خوب سمجھ لیتا ہے اور انہیں محفوظ کرلیتا ہے، ماشاء اللہ دین کی فہم ہے''۔

ایک بار حضرت والا معرفت الٰہیہ کے مضامین قلمبند کر کے سنا رہے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستانؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت! حکیم اختر صاحب کے قلم میں بہت تاثیر ہے۔ حضرت شیخ نے حضرت کی طرف متوجہ ہوکر انگشت شہادت سے اشارہ کر کے فرمایا کہ خبردار اپنا کمال نہ سمجھنا،

سب شیخ کا فیض ہوتا ہے اور پھر مفتی صاحب کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ تاثیر کیوں نہ ہوگی، ہم نے ان کو رگڑا بھی بہت ہے۔ بیک وقت فناء و بقاء کا درس شیخ نے دے دیا۔

حضرت پھولپوری قدس سرہٗ زمین دار تھے، زمینوں سے جو آمدنی آتی تھی، وہ حضرت پھولپوریؒ کے خاص مقربین کے پاس جمع ہوتی تھی لیکن حضرت شیخ پھولپوری کو حضرت پر ایسا اعتماد ہوا کہ تمام آمدنی حضرت کے پاس جمع کرانے لگے، بوجہ مقربین پر اعتماد نہ ہونے کے اور یہ بات مقربین کو ہضم نہ ہوئی اور انہوں نے حضرت کو مختلف طریقوں سے ستانا شروع کیا تاکہ یہ شیخ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یہاں تک کہ ایک صاحب کے ذریعہ شیخ سے کہلوایا کہ حکیم اختر ابھی نوجوان ہیں آپ اتنی بڑی رقم ان کے حوالے کر دیتے ہیں، مطلب یہ تھا کہ نعوذ باللہ وہ کہیں خورد برد نہ کر دیں، یہ سن کر حضرت شیخ پھولپوریؒ ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ تم اس کو کیا سمجھتے ہو وہ صاحبِ نسبت ہے اس کے لیے ایک کروڑ اور ایک پیسہ برابر ہے۔ جاؤ دو نفل پڑھ کر توبہ کرو ورنہ سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اسّی سالہ شیخِ کامل کا اپنے اٹھارہ سالہ مرید کے بارے میں یہ حسنِ ظن تھا اور شیخ کے اس حسنِ ظن کے مظاہر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی میں ہم نے دیکھے کہ ایک کروڑ کیا، پوری دنیا کے خزائن بھی حضرت کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں تھے۔ یہاں صرف چند واقعات لکھتا ہوں۔

آج سے تقریباً ۴۲ سال پہلے ایک غیر ملک میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رئیس دوست کا انتقال ہوا جنہوں نے قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اپنی لاکھوں کی جائیداد پاکستان میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نام کر دی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بیوہ کو خط لکھا کہ کسی کو بھیج کر اپنے قانونی کاغذات اور رقوم منگوا لیں۔ ایک صاحب آئے اور حضرت والا نے تمام کاغذات اور رقوم ان کے حوالہ کر دیں، وہ دنیا دار آدمی تھے انہوں نے کہا میری زندگی کا پہلا تجربہ ہے کہ اتنی بڑی

جائیداد کسی نے واپس کی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی ایسے انسان بھی دنیا میں موجود ہیں اور عرض کیا کہ حضرت والاؒ آپ جیسے انسانوں سے یہ زمین و آسمان قائم ہیں۔

۱۹۹۴ء میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا انگلینڈ کا پہلا سفر ہوا۔ وہاں کے لوگ عرصہ سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو انگلینڈ تشریف لانے کی دعوت دے رہے تھے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے مشتاق تھے۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو بہت ہدایا پیش کیے جو پاکستان کرنسی کے حساب سے کئی لاکھ تھے اور لوگ مدرسہ کے لیے بھی عطیات دیتے تھے جو حضرت والاؒ الگ الگ نوٹ کر لیتے تھے۔ واپسی سے پہلے وہ ڈائری گم ہوگئی اور بہت تلاش کے باوجود نہیں ملی تو حضرت والاؒ نے اپنے تمام ہدایا مدرسہ کو دے دیئے اور ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔

میرے مرشد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ مالی معاملات میں انتہائی محتاط تھے۔ حضرتؒ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کو بھی باوجود مدرسہ کے مہتمم ہونے کے تنخواہ لینے سے منع فرمادیا تھا، حالانکہ فتویٰ کی رو سے جائز تھا، لیکن حضرت کے تقوی وورع نے اس کو گوارا نہ فرمایا اس لیے نہ مولانا مظہر صاحب تنخواہ لیتے ہیں نہ حضرت والاؒ لیتے تھے بلکہ بجلی، ٹیلیفون پانی وغیرہ کا بل بھی اپنے پاس سے مدرسہ میں جمع کراتے تھے۔ حضرت والاؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مدرسہ میں پانچ سو روپے ہر ماہ جمع کردیا کرو، حضرت والاؒ جو ٹیلیفون وغیرہ استعمال فرمایا کرتے تھے اس کا جتنا بل آتا تھا اس سے دوگنا اور تین گنا زیادہ مدرسہ میں جمع فرمادیتے تھے۔ حضرتؒ نے مولانا محمد مظہر صاحب کو بھی منع فرمایا ہوا تھا کہ مدرسہ کی گاڑی اپنی ذات کے لیے استعمال میں نہ لاؤ، حالانکہ یہ بھی جائز ہے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ایک دفعہ کوئی گاڑی نہیں تھی، تو مدرسہ کی گاڑی میں ایئرپورٹ جانا پڑا، کچھ پیسے خرچ ہوئے لیکن حضرت نے مولانا محمد مظہر صاحب سے فرمایا کہ مدرسہ میں

سو روپے جمع کر دینا، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور بہت متقی انسان ہیں لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اطمینان نہیں ہوا اور فرمایا کہ کیا بھروسہ ہے کہ گھر تک بھی پہنچ سکوں گا یا نہیں اور ائیر پورٹ پر ہی سو روپے اپنے پاس سے ہی دے دیئے اور لفافے پر لکھوا دیا یہ مدرسہ کی رقم ہے، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب سے فرمایا کہ جاتے ہی جمع کر دینا۔

ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے کچھ روپے مجھے دیئے اور فرمایا کہ یہ عطیات کی مد میں جمع کر دینا، میں نے لفافہ پر لکھ کر جیب میں رکھ لیا لیکن جمع کرنا بھول گیا۔ رات کو حضرتؒ بستر سے اٹھ کر خانقاہ تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا کہ وہ پیسے عطیات کی مد میں جمع کرا دیئے۔ میں نے کہا حضرت صبح جمع کرادوں گا، تو حضرت ناراض ہو گئے اور مجھ سے پوچھا کہ تمہیں یقین ہے کہ صبح تم اٹھ سکو گے؟ یا میں اٹھ سکوں گا؟ مجھے تو رات بھر نیند نہیں آئے گی، وہ رقم جمع کر کے مجھے فوری اطلاع کرو۔

۱۹۸۰ء میں حضرت کے شیخ ثانی حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہ نے لکھا کہ اپنا مکان فروخت کر کے کسی دوسری جگہ خانقاہ بنائیں۔ شیخ کے حکم پر حضرت نے ناظم آباد کا اپنا ذاتی مکان بیچ کر گلشن اقبال میں زمین خریدی اور وقف کر دی۔ اپنے پاس کچھ نہیں رکھا، صرف ایک چھوٹی سی دکان مظہری کتب خانہ حضرت کا اپنا ذاتی ہے۔ خانقاہ کا جو اندرونی حصہ ہے وہ حضرت کے ذاتی پیسہ سے بنا ہے۔ حضرت کے منع فرمانے کے باوجود منت کر کے ٹھیکیدار نے مزید تعمیر کر دی جس سے آٹھ لاکھ کا قرضہ ہو گیا۔ ایک بار حضرت نواب عشرت علی خان قیصرؒ خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور دریافت کیا کہ خانقاہ کے باہر جو زمین خالی ہے وہاں بھی تعمیر کرا دیجیے، حضرت نے فرمایا کہ ابھی تو آٹھ لاکھ کا قرضہ ہے۔ جب قرضہ ادا ہو جائے

گا تو بنواؤں گا۔نواب صاحب نے عرض کیا کہ آٹھ لاکھ تو کوئی ایسی بڑی رقم نہیں ہے، شیخ دبئی میرا دوست ہے، اس کا بنگلہ میرے گھر کے قریب ہے، اس سے کہہ دوں گا وہ ادا کر دے گا۔حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے، اگلے دن نواب صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت شیخ دبئی قرض ادا کرنے کے لیے راضی ہے۔حضرت نے فرمایا کہ آپ اس سے رقم لے آئیے۔نواب صاحب نے عرض کیا کہ رقم وصول کرنے کے لیے آپ کو جانا پڑے گا اور رجسٹر پر دستخط کرنا پڑیں گے۔حضرت والا نے فرمایا نواب صاحب میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا، میں اپنے بزرگوں کے طریقہ کو نہیں چھوڑ سکتا، اگر میں اس کے دروازہ گیا تو بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلَى بَابِ الْاَمِيْرِ ہوں گا (یعنی وہ فقیر برا ہے جو امیر کے دروازہ پر جائے) اور فرمایا کہ اگر میں وہاں گیا تو اس خانقاہ کی تاریخ پر یہ کلنک کا ٹیکا لگ جائے گا کہ اس کا بانی ایک امیر کے دروازہ پر گیا تھا۔حضرت کے اس جواب پر حضرت نواب صاحبؒ بہت متاثر ہوئے اور آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا حضرت! آپ تو ہمارے بزرگوں کی یادگار ہیں۔حضرت نے یہ واقعہ اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کو لکھ کر بھیجا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ مبارک ہو! تعمیرِ فقیری تعمیرِ شاہی سے افضل ہے۔

۱۹۹۰ء میں جب جنوبی افریقہ کا پہلا سفر ہوا تو لوگوں کی دعوت پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف شہروں میں وعظ ہوتے تھے، ایک شہر میں وعظ سے پہلے میزبان سے ایک رئیس نے آہستہ سے پوچھا کہ Estimate کیا ہے؟ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے سن لیا تو میزبان سے پوچھا کہ فلاں صاحب Estimate کی کیا بات کر رہے تھے۔انہوں نے عرض کیا کہ حضرت والا! ہندوستان پاکستان سے یہاں بعض علماء آتے ہیں پہلے تقریر کرتے ہیں اس کے بعد مدرسہ کا Estimate پیش کرتے ہیں۔حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا! یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہاں چندہ لینے کے لیے آیا ہوں اور احقر کو حکم دیا کہ جاؤ مجمع میں اعلان کرو اور جس شہر میں میرا وعظ ہو، وعظ سے پہلے ہر جگہ یہ اعلان کرو کہ میں

آپ لوگوں سے چندہ لینے نہیں آیا ہوں بلکہ اپنے بزرگوں سے میں نے جو اللہ کی محبت سیکھی ہے، وہ آپ لوگوں کو دینے آیا ہوں۔ سفر کے آخری زمانے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خاص دوستوں نے عرض کیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ کے مدرسہ کی تعمیر ہورہی ہے جس کے لیے پیسوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے بعض رئیس ہمارے بچپن کے دوست ہیں، ہم اپنی طرف سے ان سے کہہ دیں گے تو وہ پورا مدرسہ بنوادیں گے اور اپنی سعادت سمجھیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو ہرگز اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ مولانا بظاہر تو انکار کررہے ہیں لیکن اب وصولی کرنے کے لیے اپنے ایجنٹ چھوڑ دیئے ہیں اور پھر میری دین کی بات ان پر اثر نہ کرے گی، مدرسہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے کھولا ہے دین کو قربان کرکے میں مدرسہ نہیں چلاسکتا۔ جس دن مجھے معلوم ہوا کہ اس میں اللہ کی رضا نہیں ہے، اسی دن مدرسہ میں تالہ ڈال دوں گا۔ دین کا کام کرنا ہے تو عزت نفس اور عظمت دین کے ساتھ کرنا ہے اور اسی کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں۔

خانقاہ کی مسجد اشرف کے دائیں جانب جو مدرسہ کی عمارت ہے یہ بھی ٹھیکیدار احمد دین صاحبؒ نے اصرار کرکے خود بنائی اور حضرت سے عرض کیا کہ پیسے کی پرواہ نہ کریں، وہ مجھے مل جائے گا۔ ۵ ۴ /لاکھ کا قرضہ ہوگیا حضرت فکرمند ہوگئے لیکن کسی سے ایک لفظ نہیں فرمایا، چند ماہ بعد ری یونین سے نقشبندی سلسلے کے ایک بزرگ جو حضرت سے محبت رکھتے تھے ان کا فون آیا کہ میرے قلب میں سخت تقاضا بلکہ تنبیہ ہورہی ہے کہ میں آپ کے مدرسہ کی خدمت کروں، آپ فرمائیں کہ کتنی رقم کی ضرورت ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا رقم تو بہت بڑی ہے آپ کی جتنی گنجائش ہو اتنی دے دیں، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بتائیں میں پوری رقم ادا کروں گا۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بتایا، تو انہوں نے عرض کیا حضرت اس میں کسی اور کو شریک نہ کریں، میں پوری رقم آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ دیکھو یہ میرے بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ مجھے سخت ضرورت تھی لیکن کسی سے

اشارہ بھی نہیں کیا کہ میں مقروض ہوں۔ دو نفل پڑھ کر اللہ سے روتا تھا، اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا۔ فرمایا کہ فقیر کا کام لوگوں سے مانگنا نہیں اللہ سے مانگنا ہے۔

تو میں ان مجاہدات کا ذکر کر رہا تھا جو حضرت والاؒ کو پیش آئے۔ ان میں اختیاری مجاہدات اور اضطراری مجاہدات دونوں شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والاؒ کا مزاج مبارک انتہائی لطیف حساس اور نازک بنایا تھا جس کی یہ مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کی رہنمائی ہو سکے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کس طرح اپنی تمناؤں اور آرزؤں کا خون کر کے دریائے خون سے عبور کیا جاتا ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اشعار ان مجاہدات کی غمازی کرتے ہیں مثلاً

ان حسینوں سے دل بچانے میں
میں نے غم بھی بہت اٹھائے ہیں

....

وہ سرخیاں کہ خون تمنا کہیں جسے
بنتی شفق ہیں مطلع خورشید قرب کی

تحمل حسن کا مجھ کو نہیں ہے
بہت مجبور ہوں میں اپنے دل سے

بچاتا ہوں نظر کو اپنی ان سے
کہ دھوکہ کھا نہ جاؤں آب و گل سے

....

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرمِ غم ہے
پھر اس کو اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے

ہزار خونِ تمنا ہزارہا غم سے
دلِ تباہ میں فرمانروائے عالم ہے

مری چشم تر خون برسا رہی ہے
جہاں بھی کہیں سنگ در پارہی ہے
مبارک تجھے اے مری آہ مضطر
کہ منزل کو نزدیک تر لارہی ہے
نہ پوچھو تجلّیِ آہِ سحر کو
ضیائے مہ و مہر شرما رہی ہے
ناکامیوں پہ حسرت آنسو بہا رہی ہے
دل ہے کہ ان کی خاطر تسلیم سر کئے ہے

....

اک غمزدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے
شب ہائے غم پہ سایۂ لطفِ سحر بھی ہے
جفائیں سہ کر دعائیں دینا یہی تھا مظلوم دل کا شیوہ
زمانہ گذرا اسی طرح سے تمہارے در پر دل حزیں کا
نہیں تھی مجھ کو خبر یہ اختر کہ رنگ لائے گا خوں ہمارا
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

....

صفحۂ ہستی پہ میرے ایسے افسانے بھی ہیں
اُف تصور سے بھی جن کے منہ کو آجاتا ہے دل

جیسا کہ پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ آج سے ۴۶ برس پہلے حضرت والا نے احقر سے فرمایا تھا کہ سینہ میں اتنا حساس دل رکھنے کے باوجود کہ حسن کے ایک ذرہ کا مجھ کو ادراک ہوجاتا ہے لیکن مجھ سے کبھی زندگی میں ایک بار بھی لغزش نہیں ہوئی اور ۲۰۰۲ء میں علالت کے دوران حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے جنوبی افریقہ کے سفر میں فرمایا تھا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے نظر کی حفاظت سے ملا ہے۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا جو

۱۹۶۹ء میں جب احقر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اس زمانے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا جس میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نام نہیں لیا، اپنا نام تو چھپا گئے لیکن احقر سمجھ گیا کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہی حالات بیان فرما رہے ہیں۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک عالم جو نوجوان اور بہت خوبصورت تھے اپنے ایک دوست کی شادی میں گئے۔ نصف شب کے بعد جب وہ سونے کے لیے لیٹے تو ایک نہایت خوبصورت لڑکی ان کے کمرے میں آ گئی اور گناہ کی دعوت دی۔ ان عالم نے کہا کہ فوراً یہاں سے بھاگ جا، دوزخ کی آگ کی شدت مجھے اس لذت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی۔ احقر جامع عرض کرتا ہے کہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ یہ الفاظ بھی کسی اور کے نہیں ہو سکتے اور تقویٰ کا یہ اعلیٰ ترین مقام ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ ان اشد مجاہدات میں حضرت والا کی زندگی گذری لیکن حضرت کی فنائیت اور کسر نفسی ہے کہ ترجمۃ المصنف میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ کی خدمت میں جو طویل عمر گذری اس میں مجاہدہ اختیاریہ کا حق تو احقر سے ادا نہ ہو سکا لیکن الطاف حق نے میری باطنی ترقی کے لیے غیب سے مجاہدۂ اضطراریہ کا سامان فرما دیا، جس کی بدولت کلیجے منہ کو آ گئے اور انہیں مجاہدات کی بدولت آج سینہ میں ایک ٹوٹا ہوا درد بھرا دل رکھتا ہوں جو میرے نزدیک اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس کے بدلے میں سلطنت ہفت اقلیم مجھے قبول نہیں اور ان مجاہدات کی تفصیل بیان کرنا خلاف مصلحت سمجھتا ہوں''۔

یہی وہ زمانہ ہے جس کا لوگوں کو بالکل علم نہیں ہے کہ سولہ سال تک حضرت کن مجاہدات، مشکلات اور حاسدین کی ایذا رسانیوں سے گذرے ہیں کہ جن کو سن کر ہی

دل خون کے آنسو روتا ہے۔ حاسدین اتنا ستاتے تھے کہ جینا مشکل کر دیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میں گھر سے آیا تھا تو اپنی چار پائی، رضائی کمبل اور تکیہ ساتھ لایا تھا اور رات کو بارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک حضرت اپنے شیخ پھولپوریؒ کے پاؤں دباتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے کہ میرا سب سے زیادہ مزے کا وقت وہی تھا جب شیخ محبت کی باتیں فرماتے اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات سناتے۔ ڈیڑھ بجے جب میں سونے کے لیے باہر آتا تو دیکھتا کہ حاسدوں نے میری چار پائی کسی کو دے دی ہے، تکیہ کسی کو دے دیا ہے، رضائی کسی کو اور کمبل کسی کو، کڑکڑاتی سردی میں ٹھنڈ سے پاؤں پھٹ جاتے اور خون نکل آتا، آخر کار مسجد میں گھاس پڑی رہتی تھی اسی میں لپٹ کر سو جاتا اور کبھی دیکھتا کہ قریب سے سانپ گذر رہا ہے کبھی بچھو گذر رہا ہے اور یہ ایک دو دن کی بات نہیں تھی سولہ سال جب تک حضرت شیخ کے ساتھ قیام رہا یہ روزانہ کا ماجرا تھا لیکن حضرت فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار بھی حضرت شیخ سے شکایت نہیں کی کیونکہ اگر میں ایسا کرتا تو وہ اتنے مقرب اور سازشی تھے کہ مجھے خانقاہ سے نکلوا دیتے اس لیے ان کی ایذاؤں کو برداشت کرتا تھا کیونکہ مجھے شیخ سے ایسی محبت تھی کہ ان کی جدائی کا مجھ میں تحمل نہیں تھا۔ اگر کبھی چند دن کے لیے جدا ہونا پڑا تو مجھے بخار رہنے لگتا تھا اور پیشاب پیلا آنے لگتا تھا اور حاسدین حضرت شیخ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت سے ناراض کرنے کے لیے جھوٹی شکایتیں لگاتے اور چاہتے تھے کہ شیخ حضرت کو خانقاہ سے نکال دیں، اگر شیخ ان کے اثر سے چند دن کے لیے ناراض بھی ہو گئے تو حضرت فرماتے تھے کہ شیخ کو بھی میرے بغیر چین نہیں آتا تھا اور مجھے پھر بلا لیتے تھے اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیخ کی عدم موجودگی میں حاسدین مجھ پر جملے کستے تھے یہاں تک کہ منہ چڑاتے تھے اور پوربی زبان میں یہ کہہ کر دل کو زخمی کرتے تھے کہ مالٹا چوسی مرغی کھائی...... شیخ کو چھوڑ کے کاہے کو جائی۔ آہ! ان نادانوں کو کیا خبر تھی کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کس دردِ دل اور اخلاص سے اپنے شیخ کے

ساتھ رہ رہے ہیں اور حاسدین کے مظالم کو سہہ رہے ہیں ۔

اشقیاء را دیدۂ بینا نبود

نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

اشقیاء کے آنکھیں نہیں تھیں، انہیں نیک و بد ایک جیسے نظر آئے، جو جیسا خود ہوتا ہے اسے دوسرا بھی ویسا ہی نظر آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں: ''كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ'' آپ کے چہرۂ مبارک میں سورج چلتا ہوا نظر آتا ہے اور اسی چہرۂ انور کے متعلق نعوذ باللہ ابوجہل کہتا تھا نقلِ کفر کفر نہ باشد کہ مجھے تو اس سے برا چہرہ نعوذ باللہ نظر نہیں آتا۔ جس کے دل کی آنکھوں کی بصیرت صحیح تھی اسے بصیرتِ صحیحہ سے صحیح مشاہدہ ہو رہا تھا یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور جس کے دل کی آنکھوں کی بصیرت فاسدہ تھی اس کو حسن و جمالِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نظر ہی نہیں آیا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ واقعہ سنایا کہ حاسدین نے جھوٹی باتیں لگا کر حضرت شیخ پھولپوریؒ کو مجھ سے ناراض کر دیا اور آج سے تقریباً پچاس برس پہلے ایک حکیم صاحب کو ڈھائی سو روپے دیئے اور ان حکیم صاحب سے کہا کہ حضرت شیخ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ جن سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے ان کو اپنے سامنے نہ آنے دیں ورنہ آپ کو فالج کا خطرہ ہے، یہ بات سن کر حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ آبدیدہ ہو گئے اور چشمہ اتار کر آنسو پونچھے۔

ان حاسدین کے پولیس سے بھی تعلقات تھے، حضرت شیخ پھولپوریؒ کی خدمت میں بعض رئیس اور مل مالکان بھی آتے تھے، بعض دفعہ پولیس کے ذریعہ ان کو پریشان کیا جاتا اور ان سے رقم لے کر آپس میں بانٹ لی جاتی۔ حاسدین کا حسد اور دشمنی یہاں تک بڑھ گئی کہ حضرت والاؒ کے پیر بھائی جناب غلام سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والاؒ سے

کہا کہ میرے کانوں میں بھنک پڑی ہے کہ آپ کے قتل کی سازش کی جارہی ہے، آپ کی جان کو خطرہ ہے، اب آپ یہاں سے بھاگ جائیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا، جان تو ایک دن جانی ہے، چلی جائے گی لیکن اگر میں اس وقت شیخ کو چھوڑ کر چلا گیا تو حضرت سوچیں گے کہ اختر بے وفا تھا، مجھے بڑھاپے میں چھوڑ کر چلا گیا، میں جان دے دوں گا لیکن اہل اللہ خصوصاً اپنے شیخ کے ساتھ بے وفائی نہیں کرسکتا۔

ان حالات کو دیکھ کر حضرت حبیب الحسن خاں صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ مجاز حضرت شیخ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا تھا کہ ''مولانا حکیم محمد اختر صاحب نے جس طرح سولہ سال شیخ کی خدمت میں گذارے ہیں ہم جیسا ایک دن بھی نہیں گذار سکتا تھا''۔

اللہ تو جانتے ہیں کہ میرا بندہ میرے لیے کیا کیا تکلیفیں اور ذلتیں اٹھا رہا ہے، آخر کار اللہ کی رحمت کو جوش ہوا اور ایسے حالات پیدا ہوئے کہ وہ حاسدین ہی یہاں سے بھگا دیئے گئے۔ حضرت پھولپوریؒ پر فالج کا حملہ ہوا، ان لوگوں نے بہت سے حضرات سے قرضے لے رکھے تھے، قرض خواہوں نے ان سے اپنے پیسے مانگنے شروع کیے تو یہ لوگ دوسرے ملک فرار ہوگئے، اس کے بعد چھ ماہ تک حضرت پھولپوریؒ صاحبِ فراش رہے اور حضرت اپنے شیخ پھولپوریؒ کی دن رات خدمت میں مصروف رہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ میری طبیعت ایسی تھی کہ اپنے بچوں کا پیشاب پاخانہ دیکھنے کا بھی تحمل نہیں تھا، اگر کبھی دیکھ لیتا تو قے ہوجاتی تھی لیکن حضرت فرماتے تھے اپنے شیخ کا پیشاب پاخانہ چھ ماہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے کی سعادت مجھے حاصل تھی۔ جب حضرت پھولپوریؒ کا انتقال ہوا تو حضرت ہردوئیؒ نے حضرت والاؒ کو تحریر فرمایا کہ ''از ابتداء تا انتہاء خدمت شیخ مبارک ہو''۔

حضرت شیخ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے چند

دن پہلے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ سے پوچھا کہ حضرت، آپ مجھ سے خوش ہیں؟ حضرت پھولپوریؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ بہت خوش ہوں، پھر حضرت نے عرض کیا کہ حضرت، دُعا فرما دیجیے کہ اللہ مجھے دین کی دولت عطا فرما دیں، فرمایا کہ یہ دولت تو تمہیں عطا ہو چکی، پھر حضرت نے عرض کیا کہ دُعا فرما دیجیے کہ اللہ مجھ سے دین کا کام اپنی مرضی کے مطابق لے لے، یہ سنتے ہی حضرت پھولپوریؒ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور بہت دیر تک دُعا فرمائی اور والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ تم آمین کہو، نہ جانے حضرت نے کیا دُعا فرمائی جو حضرت مرشد اور اللہ ہی کے درمیان ہے لیکن حضرتؒ فرماتے تھے کہ سارے عالم میں جو کام مجھ سے لیا جا رہا ہے یہ میرے شیخ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ پھولپوری کا انتقال ہوا تو میرے پاس کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تھا نہ پاس کچھ پیسہ تھا۔ چند سال پہلے حضرت پھولپوری کی زندگی میں میرے ایک پیر بھائی نے ایک چھوٹا سا نہایت سستا پلاٹ ایک غیر آباد علاقہ میں خرید کر میرے نام کر دیا تھا جس پر مکان بنا کر میں نے اپنے بچوں کے ساتھ دو سال وہاں گذارے۔ چند سال میں وہاں بستی بس گئی اور وہ مکان بہت اچھی قیمت میں بک گیا۔ اس پیسے سے میں نے حضرت شیخ کا مکان اسی قیمت میں خریدا جو اس وقت بازار میں اس کی قیمت تھی۔ حضرت نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے تمام ان قرض خواہوں کا قرض ادا کیا جن سے حضرت پھولپوری کے نام پر قرض لیا گیا تھا، اس کے بعد بھی بڑی رقم بچ گئی، وہ حضرت نے حضرت شیخ کے انہی وارثین کو جو دوسرے ملک چلے گئے تھے، بہت کوشش کر کے بھجوائی، حضرت والاؒ نے فرمایا کہ وارثوں کو میں نے ان کا پورا پورا حصہ بھجوایا یہاں تک کہ جھاڑو، پھونکنی اور چمٹے تک کی قیمت لگا کر بھجوائی۔

اور یہی نہیں ان ستانے والوں کو جنہوں نے جان سے مارنے تک کی سازش کی تھی شیخ کی نسبت کی وجہ سے حضرت والاؒ ان کو سالہا سال تک ایک ہزار روپے مہینہ بھیجتے تھے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ کی عملی تفسیر تھے۔ وَمَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا ذُوۡحَظٍّ عَظِیۡمٍ۔

اس کے بعد حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بار ہندوستان کا سفر ہوا اور ہردوئی میں اپنے شیخِ ثانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قیام ہوا تو ان حاسدین نے ورثہ کا پیسہ دوبارہ حاصل کرنے کے لیے حضرت والاؒ کو نہایت سنگدلی سے خط لکھا جس سے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بہت تکلیف ہوئی، حضرت ہردوئیؒ نے دریافت فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ایک ہزار روپے ماہانہ بھجواتے ہیں؟ حضرت نے عرض کیا جی ہاں! حضرت ہردوئیؒ نے فرمایا آپ سانپ کو دودھ پلا رہے ہیں، اب آئندہ ان کو کچھ نہ بھیجیں۔ شیخ کے ارشاد پر حضرت نے ان کو ہدیہ بھیجنا بند کردیا، اس کے بعد حضرت کا ایک ملک کا سفر ہوا جہاں اس خاص دشمن کے ایک صاحبزادے موجود تھے، انہوں نے حضرت سے کہا کہ میں ۴۵ ہزار کا مقروض ہوں اور وطن واپس نہیں جاسکتا، جب تک قرض ادا نہ ہو، آپ میرا قرض ادا کردیجیے، حضرت نے ان کو ۴۵ ہزار روپے کراچی آکر ہدیۃً بھجوادیئے، احقر نے حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم سے عرض کیا کہ حضرت جیسے اخلاقِ عالیہ میں نے کہیں نہیں دیکھے کہ حاسد کی اولاد کو اتنی بڑی رقم ہدیہ کردی تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا مظہر صاحب نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے جو ان لوگوں پر احسانات کیے ہیں یہ تو اس کا عشیر عشیر بھی نہیں ہے۔

حضرت پھولپوریؒ کے بعض مقربین حضرت کے حاسدین تھے۔ حضرت ان کی

ایذا رسانیوں کی تمام مصیبتیں جھیل گئے لیکن اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ان حاسدین کی اولاد حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بے انتہاء محبت کرتی ہے۔ حضرت کے گردوپیش تو ایسے حاسدین تھے لیکن اللہ کا کرم ہے اور حضرت کی محبت اور اخلاق عالیہ کا اثر ہے کہ حضرت کی تمام اولاد صاحبزادہ مولانا مظہر صاحب دامت برکاتہم اور ان کے صاحبزادے اور حضرت کے نواسے اور پورا خاندان ایں خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق ہیں اور اس غلام سے ایسی محبت فرماتے ہیں کہ احقر اس کا اہل بھی نہیں اور جتنا ممنون ہو اور شکر کرے کم ہے۔ حضرت کے اردگرد حاسدین اور مخالفین کا مجمع تھا اور اس غلام کے اردگرد اہلِ محبت اور اہلِ کرم کا مجمع ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔

جن لوگوں نے ستایا تھا آج ان کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون تھے اور کہاں گئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت کا سارے عالم میں ڈنکا پٹوادیا، شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ ایسا ہو جہاں لوگ حضرت سے واقف نہ ہوں، یہاں تک کہ امریکہ میں ایک انگریز نے حضرت کے ایک مرید کو دیکھ کر پوچھا Do you know Hakeem Akhtar? یعنی کیا آپ حکیم اختر صاحب کو جانتے ہیں؟ جس جس ملک میں حضرت تشریف لے گئے لاکھوں مردہ دل زندہ ہوگئے، فاسق و فاجر ولی اللہ ہو گئے اور بہت سے کافر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی میں ترجمہ کی ہوئی کتابیں پڑھ کر مسلمان ہوگئے، جنوبی افریقہ اور موزمبیق میں تو دو کافر براہِ راست حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ احقر نے ہندوستان و پاکستان میں نہیں دیکھا کہ کسی عالم یا بزرگ کی کتابیں اس طرح مفت تقسیم ہوئی ہوں جیسی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی بڑی کتابیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مفت تقسیم ہوئیں اور آج تک ہو رہی ہیں اور دنیا کے چپہ چپہ پر پہنچ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے مواعظ میں شیخ کی صحبت کا اثر رکھا ہے جو پڑھ لیتا ہے اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیخ کا صحبت یافتہ ہے۔

عارف باللہ کا لقب اور شیخ العرب والعجم ہونے کی بشارت

غالباً ۱۹۷۷ء میں حضرت کا ہندوستان کا سفر ہوا تھا۔ حضرت ہردوئیؒ کی معیت میں حضرت حیدرآباد دکن تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا ابرارالحقؒ نے حضرت کو وعظ بیان کرنے کا حکم دیا اور منتظمین سے فرمایا کہ اشتہار شائع کریں۔ اشتہار کا مسودہ جب حضرت ہردوئی کو پیش کیا گیا تو اس میں حضرت کے نام سے پہلے صرف حکیم لکھا ہوا تھا، حضرت ہردوئی ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یوں لکھو کہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب۔ عارف باللہ کا لقب شیخ نے حضرت کو عطا فرمایا۔

آج سے تقریباً چالیس سال پہلے حضرت نے ایک رسالہ ترجمۃ المصنف کے نام سے لکھا تھا، جس میں حضرت نے اپنے کچھ حالات تحریر فرمائے تھے، جس میں یہ واقعہ لکھا تھا کہ ''حرمِ مکہ مکرمہ میں نصف شب کے بعد میری آنکھ کھل گئی گھڑی دیکھنے کے بعد دوبارہ سونے کی کوشش کی لیکن نیند مجھ سے دور بھاگ رہی تھی۔ دل میں یہ داعیہ پیدا ہو رہا تھا کہ بیت اللہ چل۔ اُمید ہے کہ بلایا جارہا ہے اور اللہ میاں کوئی عظیم نعمت دینا چاہتے ہیں، رفقاء کو محوِ خواب چھوڑ کر آہستہ سے حرمِ مکہ میں حاضر ہوا اور دل پر عجیب کیفیت طاری ہوئی اور اضطرار کے ساتھ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ، اختر آپ کا بے نام ونشان عبد ہے اور بالکل ہی نا اہل ہے لیکن آپ کے محبوب عبد حاجی امداد اللہ صاحب کا پڑپوتا ہے، جو اسی شہرِ مبارک میں مدفون ہیں، اس حرم پاک میں ان کا فیض آپ نے جاری فرمایا تھا۔ اے اللہ! ان کے سلسلہ کو یہاں پھر زندہ فرما اور اس شہر کے کچھ بندوں کو احقر کے ہاتھوں پر سلسلۂ امدادیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرما اور میرے لئے ان کو صدقہ جاریہ فرما اور ان کی جانوں کو اپنی

محبت کے درد کی حلاوت عطا فرما۔اے اللہ! اختر ان سے کچھ نہیں چاہتا صرف یہ چاہتا ہے کہ ایک جماعت تیرے اس بیت مکرم کے سامنے اللہ اللہ کرنے والی پیدا ہو جو تیری یاد میں رونے والی اور آہ وفغاں کرنے والی اور تیری تلاش میں بے چین ہو اور اے اللہ! اس دُعا کو قبولیت عاجلہ عطا فرما اس کے بعد سخت رقت طاری ہوئی اور دل میں ایسا محسوس ہوا کہ دُعا قبول ہوگئی۔کیا قبولیت کا وقت تھا کہ دوسرے ہی دن سے یہ سلسلہ شروع ہوگیا'' اور دوسرے ہی دن شام تک چالیس افراد جن میں اکثر علماء وحفاظ تھے بیعت ہوئے اور دو دن بعد ان کی تعداد ۵۳ ہوگئی۔اور ترجمۃ المصنف میں حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں کہ ''الحمدللہ کہ اتنی بڑی جماعت مکہ شریف میں خدائے تعالیٰ کے محض فضل وکرم سے سلسلۂ امدادیہ میں داخل ہوگئی۔

آپ چاہیں گے اگر دنیا بھی چاہے گی مجھے (اختر)

یہ سب انعامات حضرت مرشدؒ کی غلامی کا صدقہ ہے اور اس خواب کی تعبیر ہے جس میں نسبتِ متعدیہ کی بشارت اور سفرِ حج کا ذکر ہے۔میرے دل وجان اور ہر بن موان الطاف الٰہیہ سے کس قدر ممنون ہیں بس میری زبان اظہار سے قاصر ہے''

(احقر جامع عرض کرتا ہے کہ یہ تو ۴۳ سال پہلے کا واقعہ ہے اور اب تو مکہ شریف اور مدینہ شریف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منسلکین کی بڑی تعداد موجود ہے) آگے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم سے احقر نے بیت اللہ شریف میں جب ان انعامات الٰہیہ کا تذکرہ کیا تو بہت ہی مسرور ہوئے اور جدہ میں احقر کو ایک ضعیف العمر عالم کے یہاں وعظ کے لیے بھیجا اور پھر مدینہ شریف میں حکم فرمایا کہ یہاں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہر روز تُو کچھ دین کی بات سنا دیا کر۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب دامت برکاتہم سے جب بیت اللہ شریف میں

ذکر کیا تو اس قدر مسرور ہوئے کہ سینہ سے لگالیا اور فرمایا کہ ابھی کیا دیکھتے ہو، پھر ہاتھ اٹھا کر اپنی انگلی کو آفاق عالم میں چاروں طرف گھما دیا اور فرمایا کہ یہ حق تعالیٰ نے بے اختیار کرادیا انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ (انتہیٰ کلامہ)

ترجمۃ المصنف کے سرورق پر ناشر نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پہلے ''الشیخ فی العرب والعجم'' لکھ دیا۔ جب حضرتؒ دوبارہ مکہ شریف حاضر ہوئے تو بعض لوگوں نے حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ یہ الفاظ لکھنا مناسب نہیں ہیں، حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ بعض لوگوں کو الشیخ فی العرب والعجم لکھنے پر اشکال ہے، لہٰذا اس پر چٹ لگا کر چھپا دیجئے۔ حضرت ہردوئیؒ کے شیخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے فرمایا کہ لاکھ چٹ لگاؤ، لاکھ چھپاؤ، ہوگا یوں ہی، یہ شیخ العرب والعجم ہی ہوں گے ؎

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اسی زمانے میں حضرت کی تالیف مثنوی مولانا روم کی شرح ''معارفِ مثنوی'' شائع ہوئی جس کا ایک نسخہ مولانا حسین بھیات صاحبؒ جو اس وقت بنوری ٹاؤن میں پڑھتے تھے حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے اور حضرت کا تعارف کرایا تو حضرت بنوریؒ نے چند صفحات پڑھ کر فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مولانا حکیم اختر صاحب اتنے بڑے عالم ہیں، میں تو دیکھتا تھا کہ ایک نوجوان بنیان اور لنگی پہنے ہوئے حضرت پھولپوریؒ کے دواخانے میں اشرفی تیل اور معجون بناتا تھا، میں سمجھتا تھا کہ یہ حضرت کا خادم نہیں بلکہ نوکر ہے جس کو حضرت نے اجرت پر رکھا ہوا ہے۔ حضرت والاؒ نے اس طرح اپنے آپ کو مٹایا تھا کہ کوئی یہ بھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ عالم ہیں، پھر معارفِ مثنوی کی تقریظ میں حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ مولانا حکیم اختر صاحب کی تالیفِ لطیف

معارفِ مثنوی پڑھ کر مجھے موصوف سے ایسی عقیدت ہوئی جس کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

ایک بار حضرت اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور معارفِ مثنوی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو پیش کی جس میں مثنویِ اختر کے چند اشعار پڑھ کر حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ لَا فَرْقَ بَیْنَكَ وَ بَیْنَ مَوْلَانَا رُوْمِ یعنی آپ میں اور مولانا رومی میں کوئی فرق نہیں۔

اور آخر میں حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔ غالباً ۱۹۹۵ء میں حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کا پاکستان کا آخری سفر ہوا تھا، حضرت ہردوئی کو رخصت کرنے حضرت وہیل چیئر پر ائیرپورٹ تشریف لے گئے تو حضرت ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض شاگرد اپنے اساتذہ سے اور بعض مرید اپنے مشایخ سے بڑھ جاتے ہیں، جیسے مولانا حکیم محمد اختر صاحب ہیں کہ ان کے مشایخ اتنے معروف نہیں ہیں اور یہ ساری دنیا میں معروف ہیں اور ان سے ان کے مشایخ کا فیض ساری دنیا میں جاری ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم الشان و منفرد تجدیدی کارنامہ

اب آخر میں یہ لکھ کر مضمون ختم کرتا ہوں کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ بدنظری، عشق مجازی اور حسن پرستی کے خلاف جہاد ہے اور ان امراض کی تباہ کاریاں اور نفس کے خفیہ مکائد اور ان کے معالجات جس تفصیل سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی ہر سطر میں ملتے ہیں وہ اکابر کی کتابوں میں بھی نہیں ملتے، کیونکہ اگلے وقتوں میں یہ مرض ایسا عام نہ تھا جیسا اس دور میں ہے۔ ۴۶ ؍برس

پہلے جب احقر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت کو یہی مضمون بلا ناغہ بیان کرتے ہوئے پایا، حضرت اس زمانے ہی میں فرماتے تھے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عریانی اور فحاشی کا سیلاب آرہا ہے میں اس کی روک تھام نہ کروں؟ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو ایک ہی مضمون بیان کرتے ہیں، دوسرے امراض کو بیان نہیں کرتے، میں کہتا ہوں کہ جہاں کالرا پھیلا ہو تو وہاں حکیم کالرا کا علاج کرے گا یا نزلہ زکام کا اور فرمایا کہ بعض لوگ مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں کہ کوئی بات ہے جو یہ اسی مرض کو بیان کرتے ہیں لیکن مجھے مخلوق کی کوئی پرواہ نہیں، میں اللہ کے لیے اپنی عزت کو داؤ پر لگا کر ان امراض کو بیان کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ مخلوق نے حضرت کی استقامت کو دیکھ لیا کہ حق گوئی میں کسی سے متاثر نہیں ہوئے اور سارے عالم میں خصوصاً یورپی ممالک میں جہاں جہاں حضرت والا کا سفر ہوا نوجوانوں نے تسلیم کیا کہ حضرت، یہاں کے گندے ماحول میں آپ نے ہماری جوانیاں محفوظ فرمادیں، ورنہ ہم یہاں کی گندگی کے گٹر میں اپنی زندگیاں ضائع کر دیتے اور بڑے بڑے علماء نے اعتراف کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس صدی کے مجدد ہیں۔

میں ہی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
میں تو دیوانہ تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

اور حدیث پڑھانے والے بعض بڑے علماء نے اعتراف کیا کہ حضرت یہ حدیث زِنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ ہم نے پڑھی بھی تھی اور پڑھائی بھی تھی لیکن اس پر عمل کی توفیق آپ سے تعلق کے بعد نصیب ہوئی، ورنہ بدنظری کو تو ہم گناہ ہی نہیں سمجھتے تھے۔ مجدد کا کام یہی ہے کہ دین کا جو شعبہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے مجدد اس پر سے پردہ اٹھا کر دکھا دیتا ہے کہ یہ بھی دین کا شعبہ ہے۔ مجدد کے لئے

حدیث پاک میں الفاظ آئے ہیں يُبْعَثُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِأَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا یعنی ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد بھیجا جاتا ہے جو دین کی تجدید کرتا ہے۔ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حدیث میں مجدد کے لیے بعثت کا لفظ آیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجدد کوئی عام آدمی نہیں ہوتا، وہ بھیجا جاتا ہے اور حق و باطل کو الگ کر دیتا ہے۔

احقر کا گمان اقرب الی الیقین ہے کہ اب قیامت تک جتنے مجددین مشائخ و مصلحین آئیں گے وہ ان امراضِ خاصہ کا علاج حضرت والاؒ کی تعلیمات کی روشنی میں کریں گے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ پوری زندگی ظاہری و باطنی مجاہدات سے دوچار رہے اور دریائے خون سے گذرتے رہے لیکن ہر وقت اللہ کی محبت سے مست اور خوش رہتے تھے، کبھی حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو غمگین نہیں دیکھا ۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

......☆......☆......☆......☆......

......☆......☆......☆......

......☆......☆......

......☆......

مثنوی

در یادِ مرشدِ محبوبِ ما، مخدومِ علماء قطبِ دوراں غوثِ وقت

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چوں شود دور از نگہ آں ماہِ من
می رود تا آسماں ایں آہِ من

ترجمہ: جب سے وہ محبوب میری نظر سے دور ہو گیا میری آہیں آسمان تک جا رہی ہیں۔

از فراقت جاں زتن بے زار شد
تن سراپا صورتِ آزار شد

ترجمہ: آپ کے فراق میں میری جان جسم سے بے زار ہوگئی اور جسم سراپا غم کی صورت بن گیا۔

چوں نہ بینم رُوئے تو لیل و نہار
از فراقت پس بنالم زار زار

ترجمہ: آہ اب آپ کے چہرۂ مبارک کی زیارت نہیں ہوتی تو آپ کی جدائی میں زار و قطار روتا ہوں۔

خوش نمی آید مرا اے جانِ من
بے تو ایں صحنِ گلستان و چمن

ترجمہ: اے میرے شیخ! بغیر آپ کے یہ چمن اور گلستان اچھا نہیں لگتا۔

خوش نمی آید جہانِ رنگ و بُو
گوشۂ گلشن، کنارِ آب جُو

ترجمہ: آپ کے بغیر دنیا کا رنگ و بو اچھا نہیں لگتا، نہ گوشۂ گلشن نہ دریا کا کنارہ۔

زندگیٔ عاشقاں دیدارِ دوست
موتِ ایشاں پردۂ رخسارِ دوست
ترجمہ: عاشقوں کی زندگی محبوب کا دیدار ہے اور ان کی موت محبوب کا فراق ہے۔
ماہیاں محروم باشند گر زِ آب
جانِ شاں ہردم تپد از اضطراب
ترجمہ: مچھلیاں اگر پانی سے محروم ہوجائیں تو ان کی جان ہمہ وقت بے چینی سے تڑپتی رہتی ہے۔
زانکہ بے دریا حیات شاں محال
زیں بخواہند ہر زماں آبِ وصال
ترجمہ: اس لئے کہ بغیر دریا کے ان کا زندہ رہنا ناممکن ہے، اسی لئے وہ ہر وقت پانی سے وصل چاہتی ہیں۔
کردئی رُخ چوں تو بالائے سما
خنجرِ فرقت نہی بر حلقِ ما
ترجمہ: جب آپ نے دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم بقا کی طرف رخ کیا تو اپنا خنجرِ فراق میرے گلہ پر رکھ دیا۔
چوں قرارِ جانِ من شد روئے تو
جانِ من جوید ترا در کوئے تو
ترجمہ: میری جان کا قرار آپ کے روئے مبارک کا دیدار تھا تو میری جان آپ کے کوچہ میں بے تابانہ آپ کو تلاش کرتی ہے۔
سیّد عشرت جمیل میر